Regd.# MC-1366

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

•جلد11/•شمارہ06/•دسمبر/2021

ماہنامہ

فہمِ دین

ریاستِ مدینہ

برکت میں لذت

اقصیٰ کی بیساکھیاں

رول ماڈل

آخرت کا ویٹنگ روم

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

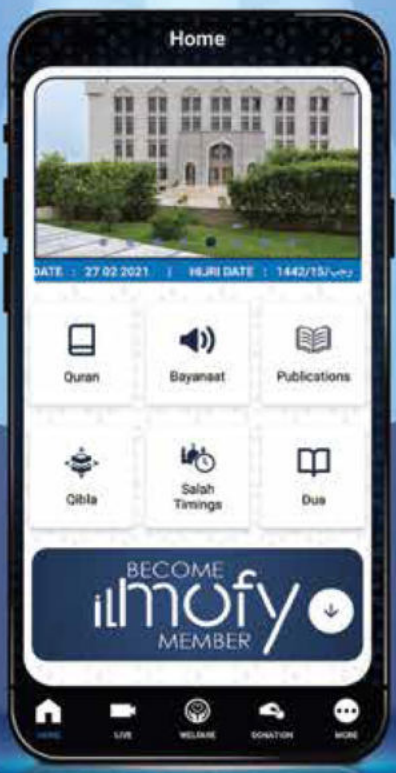

بیت السلام پبلیکیشن
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہم دین (اردو)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
سہ ماہی انٹیلکٹ (انگلش)
ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
نیوز بلیٹن (اردو، انگریزی)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

- تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
- شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
- حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
- اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
- بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
- اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی

اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust | baitussalamwelfaretrust | Baitussalam
baitussalam_org | 923162881088 | Baitussalam_Org

ماہ نامہ
فہمِ دین
کراچی

دسمبر 2021

فہم وفکر

ریاست مدینہ	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

ہماری زبان اور اس کی پہچان	عبد المتین	10
حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	ندا اختر	12
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	15
سرطان	حکیم شمیم احمد	17
تزکیہ نفس	بنت ایوب مریم	19

خواتین اسلام

احد ال کا کر	حفصہ محمد فیصل	21
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ	ام نسیبہ	22
تیری راہ میں	زینب گوہر	24
آخرت کا ویٹنگ روم	آسیہ عمران	25
اقصیٰ کی سسکیاں	بنت عامر	26
صبر	باوہم زاہدہ	27
رول ماڈل	عمارہ فہیم	28
باعنوان	عائشہ طاہر	30
قربانیوں کا سفر	بنت بال زیب	31

باغچہ اطفال

خوشبو کا راستہ	ڈاکٹر الماس روحی	33
خوب صورت باغ	ام محمد عبد اللہ	34
کیڑے	فوزیہ خلیل	35
چوزہ اور بلی	آسیہ علی	35
راجو اور چونو	سمیرا انور	37
اچھا سا تحفہ	نفیسہ سعید	38
تحفہ	قرۃ العین خرم ہاشمی	39
آؤ چاند تارے بنو!	ایوب اختر	39
بچوں کے فن پارے		40
انعامات ہی انعامات		41

بزم ادب

آقا ﷺ سے محبت	احمد منصور	42
صلی اللہ علیہ وسلم	انجم توصیف	42
دعائیں	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ		44

اخبار السلام

پرنور محفل	خالد معین	46

زیر سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	ایم اے کے انوویشن

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
+92 330 624 9463 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@baitussalam.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
C-26 گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان حامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون
فی شمارہ : 40 روپے
سالانہ فیس : 520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک : 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

ریاستِ مدینہ

مدیر کے قلم سے

ریاستِ مدینہ کی تسبیح جپتے جپتے کہیں اصلی ریاستِ مدینہ کا تصور ہی مسخ نہ ہو جائے۔

دو ریاستیں ہیں۔ ایک چودہ سو سال پہلے والی، جو مثالی ریاستِ مدینہ تھی، جس کی مثال دُنیا کے غیر مسلم لیڈر بھی دیتے ہیں اور دوسری آج کی ریاستِ مدینہ۔

مدینہ کی حقیقی ریاست نے مسلمانوں کو چھوٹی سی بستی میں رہنے کے باوجود عالمی ہونے کا احساس دِلایا، کیا روم و فارس، کیا عرب و عجم سبھی کو ایک لڑی میں پرو دیا۔

مدینہ کی حقیقی ریاست میں اسلام کی بالادستی تھی، صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت تھی، قرآن و سنت ہی سپریم قانون تھا

عشقِ رسول ﷺ سے سرشار اور اتباعِ نبوی ﷺ میں ڈوبی صحابہ کرام کی جماعت تھی، جس کے نزدیک دُنیا کی ہر دولت سے بڑھ کر دولتِ اسلام تھی۔

مدینہ کی حقیقی ریاست میں مرکزی حیثیت مسجد کو حاصل تھی، پارلیمنٹ بھی وہی تھی اور چھاؤنی بھی، عدالت بھی وہی تھی اور چیمبر آف کامرس بھی۔

مدینہ کی حقیقی ریاست ایک فلاحی ریاست تھی، جو حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کا مطلب بھی جانتی تھی اور اس کی وضاحت میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کو بھی خوب سمجھتی تھی۔

مدینہ کی حقیقی ریاست ناموسِ رسالت کی دیوانی اور ختمِ نبوت کی پروانی تھی، کوئی مائی کا لعل وہاں اسلام کے اس مرکزی عقیدے کو پامال کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا

مدینہ کی حقیقی ریاست ہر طرف سے دشمنوں میں گھری ہوئی تھی، ان سے معاہدات کیے بھی اور کمال کے نبھائے بھی،

کہیں کوئی غدر نہیں، کوئی دھوکا نہیں، کوئی وعدہ خلافی نہیں، یہاں تک کہ فتح مکہ ہو گئی اور ریاستِ مدینہ نے تمام معاہدات کو اُن کی مدت پر ختم ہونے کا اعلان کر دیا

مدینہ کی حقیقی ریاست نے جب قرآن کی پکار سنی کہ ”سودی نظام سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اعلانِ جنگ ہے“ تو نہ صرف یہ کہ سودی نظام کے خاتمے کا اعلان کر دیا، بلکہ اپنے چچا حضرت عباسؓ کے سودی قرضوں کے ختم کرنے سے سود سے پاک معاملات کی ابتدا بھی کر دی۔

مدینہ کی حقیقی ریاست میں شراب گلیوں میں رُلنے لگی تھی، شراب کے رسیالوگوں نے یوں جام و ساغر سے توبہ کی کہ شراب پھر مدینہ میں اجنبی ہو کر رہ گئی۔

مدینہ کی حقیقی ریاست میں عورت نے فریاد کی، قرآن اترا، عورت پر تہمت لگی، قرآن اترا، عورت زندہ درگور کی جاتی تھی، قرآن اترا، عورت کو میراث نہیں دی جاتی تھی، قرآن اترا، عورت کو مالِ مفت سمجھ کر غلامانہ زندگی پر مجبور کیا جاتا، قرآن اترا، مدینہ کی حقیقی ریاست نے عورت کے لیے حقوق کے انبار لگا دیے۔

مدینہ کی حقیقی ریاست ایسی فلاحی ریاست تھی، جہاں بیت المال غریبوں کی دادرسی کرتا تھا اور چراغ لے کر ڈھونڈنے سے کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا

مدینہ کی حقیقی ریاست میں خود غرضی نہ تھی، ہمدردی تھی، بے نیازی نہ تھی، بندگی تھی، من چاہی نہ تھی، خدا چاہی تھی، نفس پرستی نہ تھی، نفس کشی تھی، تکلّف نہ تھا، سادگی تھی، خدا فراموشی نہ تھی، خوفِ خدا تھا، اسٹیٹس کا معیار دُنیا کے مناصب نہیں، صرف اللہ کا ڈر اور تقویٰ تھا۔

مدینہ کی حقیقی ریاست کے حکمرانوں کو دیکھ لیجیے؛ متکبر نہ تھے، متواضع تھے، مطلق العنان نہ تھے، خدا کے سامنے خود کو جواب دہ سمجھتے تھے، بیت المال کو گھر کی مرغی نہ سمجھتے تھے، بلکہ عوام کی امانت سمجھتے تھے، عوام کو بھیڑ بکریوں کی بجائے خدا کا کنبہ سمجھتے تھے۔

قارئینِ گرامی! ہماری اسلام سے واقفیت اتنی سطحی ہو گئی کہ حقیقی ریاستِ مدینہ تو نظروں سے اوجھل ہی ہو گئی اور میڈیا کی یلغار ایسی کہ جو چورن چاہو، ریاستِ مدینہ کے نام پر بیچ دو۔ کہاں ہمارا عشقِ رسول ﷺ کا دعویٰ اور کہاں ہماری خدا سے غافل، خرافات سے بھری زندگی الامان الحفیظ

قارئینِ گرامی! پاکستان تو بنا ہی اسلام کے نام پر ہے، پاکستان کا تو مطلب ہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور

اگر اس کو ریاستِ مدینہ بنانا ہے تو خدارا! اس کا خاکہ سوشل میڈیا کے کوڑادان سے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کریں۔

ریاستِ مدینہ تو چودہ سو سال پہلے بھی وارثانِ نبی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی زندگیوں میں سجا کر دِکھائی تھی اور اب بھی وارثانِ نبوت علمائے کرام کے قدموں میں ہی بیٹھنے سے ملے گی۔

ریاستِ مدینہ چودہ سو سال پہلے بھی مسجدِ نبوی کے منبر و محراب کی ضیا تھی جو چہار دانگِ عالم میں پھیل گئی تھی اور اب بھی ریاستِ مدینہ کا حقیقی نقشہ منبر و محراب کی تعلیمات میں ہی ملے گا، اس کے علاوہ بس خواب ہے، سراب ہے۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

النساء 105-111

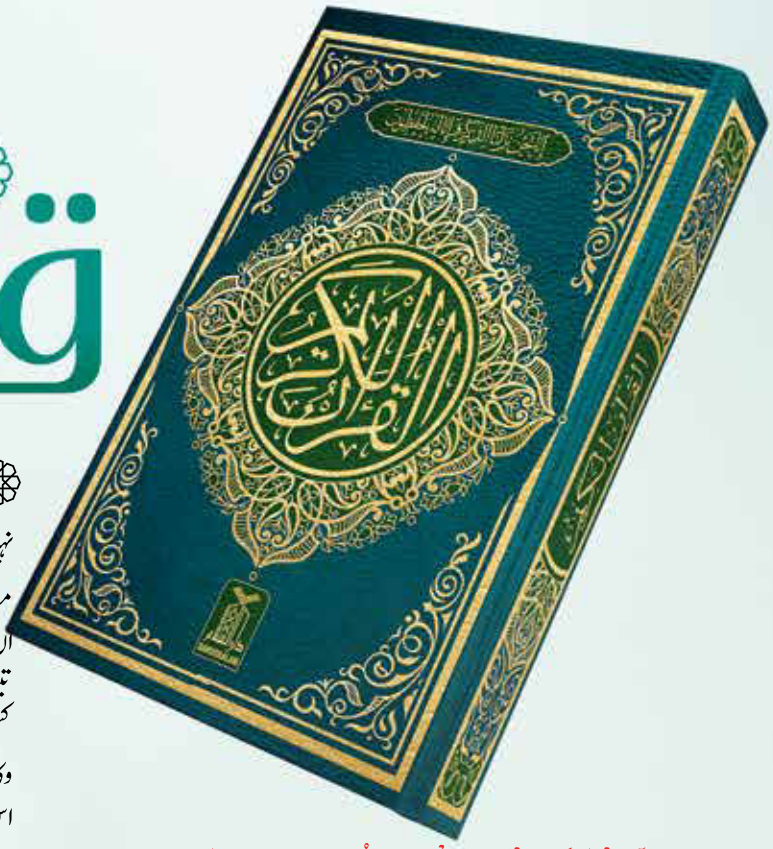

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ
وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا 105

ترجمہ: بے شک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لیے اتاری ہے، تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھایا دیا ہے اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو۔ 105

تشریح نمبر 1: یہ آیتیں اگرچہ عام ہدایتوں پر مشتمل ہیں، مگر ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی ہیں۔ خاندان بنو ابیرق کے ایک شخص بشر نے جو ظاہری طور پر مسلمان تھا، ایک صحابی حضرت رفاعہؓ کے گھر میں نقب لگا کر کچھ غلہ اور کچھ ہتھیار چرا لیے اور لے جاتے وقت ہوشیاری یہ کی کہ غلے کی بوری کا منہ اس طرح کھولا کہ تھوڑا تھوڑا غلہ راستے میں گرتا جائے، یہاں تک کہ ایک یہودی کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر بوری کا منہ بند کر دیا اور بعد میں چوری کیے ہوئے ہتھیار اسی یہودی کے پاس رکھوا دیے، جب چوری کی تفتیش شروع ہوئی تو ایک طرف غلے کے نشانات یہودی کے گھر تک پائے گئے تھے اور دوسری طرف ہتھیار اسی کے پاس سے برآمد ہوئے، اس لیے شروع میں آں حضرت ﷺ کا خیال یہ ہونے لگا کہ یہ چوری اسی یہودی نے کی ہے، یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ ہتھیار تو میرے پاس بشر نامی شخص نے رکھوائے تھے، مگر چوں کہ وہ اس پر کوئی گواہ پیش نہ کر سکا تھا، اس لیے آپ کا رجحان اس طرف ہونے لگا کہ وہ جان بچانے کے لیے بشر کا نام لے رہا ہے، دوسری طرف بشر کے خاندان بنو ابیرق کے لوگ بھی بشر کی وکالت کرتے ہوئے اس بات پر زور لگا رہے تھے کہ سزا بشر کے بجائے یہودی کو دی جائے۔ ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ یہ آیاتِ کریمہ نازل ہو گئیں اور ان کے ذریعے بشر کی دھوکا بازی کا پردہ چاک کر دیا گیا اور یہودی کو بے گناہ قرار دے کر بری کر دیا گیا۔ بشر کو جب راز فاش ہونے کا پتا لگا تو وہ فرار ہو کر کفارِ مکہ سے جا ملا اور وہاں کفر کی حالت میں بری طرح اس کی موت واقع ہوئی۔ ان آیات کے ذریعے ایک طرف تو معاملے کی اصل حقیقت آں حضرت ﷺ پر کھول دی گئی، اس کے علاوہ مقدمات کے فیصلے کرنے کے لیے اہم اصول بتا دیے گئے ہیں۔ پہلا اصول یہ کہ تمام فیصلے کتاب اللہ کے احکام کے تابع ہونے چاہییں، دوسرا اصول یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ پر بہت سے ایسے امور کھولتے رہتے ہیں جو صراحۃً قرآن میں مذکور نہیں ہیں، فیصلے ان کی روشنی میں ہونے چاہییں۔ آیت کے الفاظ "اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں سمجھا دیا ہے۔" اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور ان سے قرآنِ کریم کے علاوہ آں حضرت ﷺ کی سنت کی حجیت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ تیسرا اصول یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جس کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ کسی مقدمے میں غلطی پر ہے، اس کی وکالت کرنا جائز نہیں ہے۔ بنو ابیرق جو بشر کی وکالت کر رہے تھے ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اول تو یہ وکالت جائز نہیں ہے، دوسرے اس کا فائدہ ملزم کو زیادہ سے زیادہ دنیا میں پہنچ سکتا ہے، آخرت میں تمہاری وکالت اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا 106

ترجمہ: اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ 106

وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِیۡنَ یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِیۡمًا 107

ترجمہ: اور کسی تنازعے میں ان لوگوں کی وکالت نہ کرنا جو خود اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں۔ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ 107

یَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ
اِذۡ یُبَیِّتُوۡنَ مَا لَا یَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطًا 108

ترجمہ: یہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے، حالاں کہ وہ اس وقت بھی ان کے پاس ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ نے اس سب کا احاطہ کر رکھا ہے۔ 108

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا
فَمَنۡ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ یَّكُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ وَكِیۡلًا 109

ترجمہ: ارے تمہاری بساط یہی تو ہے کہ تم نے دنیوی زندگی میں لوگوں سے جھگڑ کر ان (خیانت کرنے والوں) کی حمایت کر لی! بھلا اس کے بعد قیامت کے دن اللہ سے جھگڑ کر کون ان کی حمایت کرے گا یا کون ان کا وکیل بنے گا؟ 109

وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا 110

ترجمہ: اور جو شخص کوئی برا کام کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے معافی مانگ لے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان پائے گا۔ 110

وَمَنۡ یَّكۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا یَكۡسِبُهٗ عَلٰى نَفۡسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا 111

ترجمہ: اور جو شخص کوئی گناہ کمائے تو وہ اس کمائی سے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اور اللہ پورا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔ 111

فہمِ حدیث

ارکانِ اسلام

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلَاۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشار فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے، ایک اس کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں (کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔"

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے استعارے کے طور پر اسلام کو ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے، جو چند ستونوں پر قائم ہو اور بتلایا ہے کہ عمارتِ اسلام ان پانچ ستونوں پر قائم ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے لیے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ان ارکان کے ادا کرنے اور قائم کرنے میں غفلت کرے، کیوں کہ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔

سچا ایمان و اسلام نجات کی ضمانت ہے

عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامَتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ شَھِدَ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ النَّارَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: "حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ "جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے رسول ہیں تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ حرام کر دی ہے۔ (رواہ مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بھی "توحید و رسالت کی شہادت" مراد، دعوتِ اسلام کو قبول کرنا اور اس پر چلنا ہے، اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" کی شہادت پورے اسلام کو اندر سے سمیٹے ہوئے ہے، جس نے یہ شہادت سوچ سمجھ کے ادا کی، درحقیقت اس نے پورے اسلام کو اپنا دین بنالیا، اب اگر بالفرض اس سے بہ تقاضائے بشریت کوئی کوتاہی بھی ہو گئی تو اس کا ایمانی شعور، کفارہ اور توبہ وغیرہ کے مقررہ طریقوں سے اس کی تلافی کرنے پر اس کو مجبور کرے گا اور اس لیے ان شاء اللہ وہ عذابِ دوزخ سے محفوظ ہی رہے گا۔

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّۃِ شَھَادَۃُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت دینا جنت کی کنجی ہے۔"

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

EXPERTS' SECRET
TO ULTIMATE TASTE

HAR KHANAY KA ASAL MAZA

SHANGRILA SEASONINGS
SEY BARHA

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

برکت میں لذت

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

ایک جملہ عام طور پر ہم کہتے سنتے ہیں کہ برکت ہو، مبارک ہو، اولاد ملی شادی ہوئی، ترقی ہو گئی، کوئی قابلِ توجہ نعمت میسر آئی تو اس خوشی میں اپنی شرکت کے اظہار کے لیے ہم کہتے ہیں: اللہ مبارک کرے۔ یہ ایک دعا ہے۔ عام طور پر رسماً ہی کہا جاتا ہے، اس کی حقیقت اور روح کی طرف خیال نہیں جاتا کہ یہ ایک بہت اچھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔ برکت کیا ہے؟ آج اس مادی دنیا کے اندر اسباب و وسائل کے اکٹھا کرنے میں بعض اوقات اس حقیقت اور اس کی اہمیت کا اندازہ ذہنوں میں نہیں ہوتا کہ برکت کتنی بڑی دولت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسباب و وسائل راحت و آرام کی ظاہری شکل اور چیز ہے اور حقیقی راحت اور آرام اور چیز ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ اسباب و وسائل کی کوئی کمی نہیں ہوتی، لیکن راحت اور آرام کا بھی کوئی نشان نہیں ہوتا۔ کھانا دستر خوان پر چُنا ہوا ہے، شان دار پھلوں کا انتخاب ہے، پر کیف ماحول ہے، معطر فضا ہے، خوب صورت منظر ہے، لیکن معدہ ٹھیک نہیں ہے۔ معدہ بھی ٹھیک ہے، لیکن کسی ایسی ذہنی الجھن کا شکار ہے کہ لذّت کے ان سارے اسباب و وسائل کے باوجود یہ شخص ان سے لذّت پانے سے محروم ہے۔ عالی شان مکان ہے، راحت و آرام کے تمام وسائل میسر ہیں، خوب صورت مسہری ہے، نرم و ملائم بستر ہیں، گرمی دور کرنے کے لیے اے سی اور ٹھنڈک کا سامان ہے، لیکن آنکھوں سے نیند غائب ہے، رات بھر آنکھوں میں کاٹ دیتا ہے، نیند اس کے قریب نہیں آتی۔ اسباب ہیں، وسائل ہیں، لیکن یہ راحت و آرام سے محروم ہے۔

ایک مزور ہے چھ، آٹھ گھنٹے محنت کرتا ہے، کسان ہے مشقت اٹھاتا ہے، پھر وہ اپنی گٹھڑی کھولتا ہے اور اس گٹھڑی کے اندر اس کے پاس چٹنی اور روٹی ہے، معدہ ٹھیک ہے، بھوک بھرپور ہے تو اس چٹنی اور اس سوکھی روٹی سے جو صبح کی پکی ہوئی ہے، خوب لذت پاتا ہے۔ رات ہوتی ہے، کھلے آسمان کے نیچے کھردری چارپائی ہے، بستر اور تکیہ بھی نہیں، لیکن آنکھیں نیند سے بھری ہوئی ہیں، جیسے ہی وہ کھردری چارپائی پر لیٹتا ہے، دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر سات، آٹھ گھنٹے کی میٹھی نیند لے کر صبح تازہ دم اٹھتا ہے۔ یہ شخص مبارک کا صحیح مستحق ہے۔

اگر برکت ہو جائے تو تھوڑے اسباب کے اندر بھی آدمی لذّت پا سکتا ہے اور اگر یہ برکت نہ رہے تو اسباب و وسائل کی کثرت کے باوجود بھی یہ بے آرام رہتا ہے۔ اللہ چاہے کچی جھونپڑی اور کُٹیا کو جنت بنا دے اور عالی شان محل کے فرش کو انگاروں کا بنا دیں۔ برکت اللہ کی عطا ہے۔ اس مادی دنیا میں اسباب و وسائل کی کثرت ہے، یہ تو ہر روز آدمی محاسبہ کرتا ہے کہ ان اسباب و وسائل میں کثرت کتنی ہوئی، اضافہ کتنا ہوا، ان اسباب وسائل میں ترقی کتنی ہوئی، اسے خیال ہی نہیں آتا کہ اس میں آرام کتنا ملا، راحت کتنی ملی، سکون کتنا ملا۔ آج اس برکت کی اس دولت کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں ہوتی۔ اسباب و وسائل اختیار میں ہیں۔ کسی کو اللہ زیادہ دیتے ہیں کسی کے پاس تھوڑے ہوتے ہیں، لیکن یہ برکت یہ خالص اللہ کی عطا ہے۔ کوئی اس میں شریک نہیں ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ برکت والی ذات صرف وہی ہے۔ اب یہ برکت مل جائے، اس طرف توجہ نہیں ہوتی، اس کا خیال نہیں ہوتا، جب یہ دولت ہی اللہ کی عطا ہے تو بتائیے کوئی شخص اس ذات کو ناراض کر کے اس نعمت میں برکت لے سکتا ہے؟

اسباب و وسائل سے، پیسوں سے، زمین سے، جاگیر سے، بنگلے سے، سواری سے آپ نے اسباب و وسائل میں اضافہ کر لیا، پیسوں سے دوا آسکتی ہے، صحت نہیں آسکتی۔ پیسوں سے نرم گداز بستر اور فرنیچر آسکتا ہے، لیکن سکون کی نیند پیسوں سے نہیں آتی۔ پیسوں سے آپ شادی شاہانہ کر سکتے ہیں، لیکن اس سے سکون مل جائے یہ یقینی نہیں۔ اس لیے کہ یہ پیسوں سے نہیں آتا، پیسوں سے آپ قیمتی تحفے تحائف تو دے سکتے ہیں، لیکن دلوں میں محبت کی مٹھاس نہیں آسکتی۔ پیسوں سے آپ اچھی سواری گاڑی لے سکتے ہیں، لیکن اس میں راحت مل جائے، ضروری نہیں۔ تو آپ اپنی محنت

سے، آپ اپنی کوشش سے، اپنے اسباب و وسائل میں اضافہ کر سکتے ہیں، لیکن یہ برکت کہ ان اسباب و وسائل میں تمہیں راحت مل جائے، اس گھر میں آپس کے تعلقات خوش گوار ہو جائیں، اس گھر میں دلوں کی محبت اور احترام ہر ایک کے دل میں پیدا ہو جائے۔ اولاد کے اندر ماں باپ کی قدر و منزلت آجائے یہ برکت ہے شادی ہو گئی، اللہ اسے مبارک فرمائے، ٹھیک ہے۔ تم نے اپنی تدبیر سے ایک انتخاب تو کر لیا ہے زندگی میں ساتھ رہنے کا، لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جو تمہارے اختیار میں نہیں ہیں اور وہ اللہ کی عطا ہے، میں دعا کر رہا ہوں اللہ تمہیں اس شادی میں برکت بھی دے دے کہ تمہارے آپس میں دل بھی مل جائیں، تمہارے آپس کے حالات بھی خوش گوار رہیں، یہ برکت ہے۔ برکت میں جہاں ایک یہ مفہوم ہے کہ نعمت میں راحت ملے، لذت ملے، سکون ملے، لطف اٹھائے، وہاں برکت کے اندر یہ بات بھی شامل ہے کہ انجام بھی اچھا ہو۔ پندرہ سال تک بچہ آنکھوں کی ٹھنڈک بنا رہا اور ایک وقت ایسا آیا کہتا کہ یہ اولاد نہ ہوتی تو اچھا تھا۔ برکت میں یہ بھی داخل ہے کہ اس نعمت میں لذت بھی ملے، انجام بھی بخیر ہو، انجام بھی شاندار ہو اور یہ انجام بخیر ہونا اور اس نعمت میں اور اسباب و وسائل میں سکون کا مل جانا، راحت کا مل جانا، لذت کا پالینا، یہ انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ صحت میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ دوا لا سکتے ہیں، طبیب کے پاس جا سکتے ہیں، شفاخانے میں داخل ہو سکتے ہیں، لیکن صحت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم شاہانہ گھر بنا سکتے ہیں، لیکن آپس کے تعلقات استوار رہیں، یہ اختیار میں نہیں ہے کہ دلوں میں ایک دوسرے کی محبت اور احترام ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے عطا ہے۔ ہم سکون کی چیزیں لا سکتے ہیں، راحت کا سامان اکٹھا کر سکتے ہیں، محبت کے تحفے تحائف دے سکتے ہیں، سکون نہیں، راحت نہیں، دلوں کی محبت نہیں۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ

ساری دنیا کے خزانے تمہاری تجوریوں میں ہوں اور تم انھیں خرچ کرنے لگو اور چاہو کہ دلوں میں ایک دوسرے کی محبت اور احترام آجائے، ان اسباب و وسائل میں یہ چیزیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ یہ اللہ رب العزت کی عطا ہے، یہ اس کی خاص عطا ہے اور اس عطا میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ چاہے تو معمولی اسباب و وسائل میں زندگی جنت کی سی بنا دے اور وہ چاہے تو اسباب و وسائل کی کثرت میں زندگی جہنم کی سی بنا دے۔ اب جب یہ عطائے خداوندی ہے تو میرے عزیزو! اسباب و وسائل سے زیادہ توجہ اس کی طرف ہونی چاہیے کہ وہ ذات اس نعمت میں برکت عطا فرما دے، اس کی توجہ زیادہ ہو، لیکن اس مادی دنیا میں اسباب و وسائل کی ایک بہتات اور آدمی اس کے ارد گرد زندگی کی ساری محنت لگائے بیٹھا ہے، سرگرداں ہے۔ اسباب و وسائل میں اضافہ ہو جائے، زندگی کے نقشے خوب صورت سے خوب صورت تر ہو جائیں۔ ارے میاں! سب کچھ ہو گئے، لیکن یہ بتائیے! آج دنیا میں خودکشیوں کی اوسط ان ملکوں میں زیادہ ہے جو ترقی پسند ملک ہیں، خوش حال ممالک ہیں، بلکہ ان گھرانوں میں خودکشیاں زیادہ ہیں جن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے، کھاتے پیتے لوگ ہیں، خودکشیاں ان ملکوں میں، خودکشیاں ان گھرانوں میں، اسباب و وسائل کی کوئی کمی نہیں، لیکن بے سکونی بے چینی اندر کا دکھ بسا اوقات ہم کسی اللہ کے نافرمان کو دیکھتے ہیں، ظالم اور خائن کو دیکھتے ہیں اور ہمیں پھر دھوکہ ہوتا ہے یہ اس خیانت کے باوجود اور اس ظلم کے باوجود بڑے مزے میں ہے، بڑی راحت میں ہے، یہ ہمارا دھوکہ ہوتا ہے، اس لیے کہ اس تک پہنچنے کے لیے تو اس کے سینے پر اترنا پڑتا ہے کہ اس کے اندر کیا آگ دہک رہی ہے، اس کے اندر کیا بے سکونی ہے اور اندر سے کتنا بے چین اور پریشان ہے۔ ہم تو اس دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں کہ جس کے پاس اسباب و وسائل کی کثرت ہے تو ہم کہتے ہیں بڑی راحت میں ہے، بڑے سکون میں ہے، بڑے مزے میں ہے۔ ہم پھر اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کا صحیح جائزہ لینے کے لیے تو اس شخص کے سینے میں اترنا پڑتا ہے کہ دل کا کیا حال ہے۔ دل کی کیا کیفیت ہے۔۔۔

اور پھر دوسری بات میں نے عرض کی کہ بسا اوقات کسی چیز میں تھوڑی دیر کے لیے راحت مل بھی جائے تو کیا ہوا؟ انجام کیسا ہوا؟ نتیجہ کیا نکلا؟ تو ہم یہ جملہ کہتے تو ہیں مبارک ہو، ہم یہ جملہ کہتے تو ہیں کہ اللہ برکت عطا فرمائے، لیکن بسا اوقات اس کی معنویت کی طرف اور اس کی اہمیت کی طرف دھیان نہیں ہوتا کہ کتنی عظیم الشان دعا ہے اور زندگی کے اس نقشے میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ زندگی کے ان نقشوں میں اسباب و وسائل میں اس کی کیا اہمیت ہے، برکت نہ ہو آدمی محض چوکیدار رہتا ہے، اسباب و وسائل کا محض خادم رہتا ہے، اسباب و وسائل کے پیچھے محض خوار اور پریشان اور تھکتا اور ہارتا ہے، برکت نہ ہو تو تکلیفیں اٹھاتا ہے، راحت نہیں پاتا، نقشے اکٹھے کرتا ہے، اسباب و وسائل کی چوکیداری کرتا ہے، لیکن زندگی کے سکون اور راحت سے محروم رہتا ہے تو برکت بڑی چیز ہے۔ یہ برکت جب ملتی اللہ کی طرف سے ہے، عطائے خداوندی تو کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمت میں کریں تو اسے ناراض اور پھر اس سے یہ عطیہ لے لیں، پھر اس سے یہ انعام لے لیں، پھر اس کی ذات سے یہ برکت لے لیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ کے نافرمان کے پاس اسباب و وسائل کی کثرت ہو سکتی ہے، لیکن برکت اور سکون نہیں ہو سکتا اور اللہ کے فرماں بردار کے پاس اسباب و وسائل کی کمی تو ہو سکتی ہے، لیکن وہ برکت جیسی دولت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا نافرمان وہ اسباب و وسائل کے اندر تو اضافہ کر سکتا ہے، اس کی کثرت تو اکٹھی کر سکتا ہے، لیکن نافرمان شخص کبھی برکت کی دولت کا مستحق نہیں بنتا اور اللہ کا فرماں بردار متقی اور پرہیزگار اگرچہ اس کے پاس اسباب و وسائل کی کمی تو ہو سکتی ہے، لیکن اللہ رب العزت اسے برکت کی دولت سے محروم نہیں فرماتے۔

جہاں اسباب و وسائل کی شکل میں اللہ تعالیٰ ہمیں نعمتیں عطا فرماتے ہیں، جہاں اللہ رب العزت راحت و آرام میں نعمتوں کے نقشے عطا فرماتے ہیں، اس میں زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اللہ کی ان چیزوں کو ہمارے حق میں مبارک فرما دے، پھر ان نعمتوں میں کچھ ایسا کر لو ناں! ان نعمتوں کے حاصل کرنے میں اور ان نعمتوں کے استعمال کرنے میں کچھ ایسا کر لو کہ وہ ذات راضی ہو جائے۔ اولاد کی تربیت میں کچھ ایسا کر لو، بھائی اپنے گھر کے نقشے میں کچھ ایسا کر لو، اپنے کمانے لین دین کے اندر کچھ ایسا کر لو، اپنے اللہ کی طرف سے ملی ہوئی ان نعمتوں میں یوں کر لو کہ اللہ ناراض نہ ہونے پائے، پھر کیا ہوگا؟ پھر اللہ اس نعمت کو ہمارے حق میں مبارک فرما دیں گے۔ جب تک وہ نعمت رہے گی تب بھی اس میں راحت اور آرام ملے گا اور اس کا انجام بڑا شاندار ہوگا۔ بسا اوقات آدمی دنیا سے چلا جاتا ہے، اللہ اس کی اس نعمت میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔ کھربوں سال مرنے کے بعد بھی اسے ملتا رہتا ہے، سبحان اللہ!

بسا اوقات اولاد ایسی فرماں بردار ہوتی ہے، بسا اوقات اس کا مال اتنا برکت والا ہوتا ہے، بسا اوقات اس کی زندگی ایسی مبارک ہوتی ہے، بسا اوقات اس کی صلاحیتیں اتنی مبارک ہوتی ہیں، یہ دنیا سے چلا جاتا ہے، لیکن ان نعمتوں کا مبارک ثمرہ اسے کھربوں سال ملتا رہتا ہے۔ برکت دے دی اللہ نے ساٹھ سال کی زندگی ہے، ستر سال کی زندگی ہے، لیکن ایسی ٹھکانے لگی اور اللہ نے اس کی زندگی میں اتنی برکت دی، ایسی ٹھکانے لگی کہ صدیوں کی زندگی اس پر قربان اور صدیوں سال اس کی زندگی کا نفع اسے مل رہا ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ جب بھی مانگا کرتے تھے، کثرت نہیں مانگا کرتے تھے، برکت مانگا کرتے تھے، جب بھی اللہ سے دعا مانگا کرتے تھے، برکت کی دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ رب العزت ان نعمتوں اور ان اسباب و وسائل میں لذّت بھی عطا فرمائے، سکون بھی عطا فرمائے، لطف بھی عطا فرمائے اور اس کا انجام بھی شاندار ہو۔ اللہ رب العزت ہم سب کو ایسی مبارک زندگی اور ایسی مبارک نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین

ہماری زبان ہماری پہچان

مولانا عبدالمتین

اللہ رب العزت نے انسانی جسم میں اعضا کی بناوٹ اور درستی کے حوالے سے قرآن کریم میں "تسویہ" کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔ "اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ" جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعضا کو درست اور برابر کیا۔ (انفطار)

یعنی انسانی اعضا ایک اندازے اور اٹکل کے طور پر نہیں بلکہ ہر عضو اپنی جگہ بھرپور افادیت کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور اس عضو کا انسانی جسم میں اسی خاص مقام میں ہونا ہی انسان کے لیے مفید اور بہتر ہے۔

انہی اعضا میں ایک بہت بڑی نعمت "زبان" کی نعمت ہے جو انسانی کردار کی لفظی ترجمانی کرتی ہے۔

قرآن کریم سورۂ رحمٰن میں "عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" کہہ کر اس نعمت کا بطور خاص ذکر فرمایا کہ رحمٰن وہ ذات ہے، جس نے انسان کو قوّتِ بیان اور قوّتِ گویائی عطا کی۔ عجیب بات ہے کہ انسانی ذہن جو سوچتا ہے اس سوچ کا اظہار سیکنڈوں سے بھی کم درجے میں زبان پر الفاظ کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کو مختلف نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے، لیکن ایک اصول قرآن کریم میں ذکر فرمایا کہ "ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ" پھر تم سے اس موقع (میدانِ محشر) پر نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (تکاثر)

یعنی ایسا نہیں کہ یہ نعمت مفت میں بن مانگے ملی تو احسان فراموش بن کر جیسے چاہا اس کا استعمال کرلیا، بلکہ انسان سے اس بات کا بھرپور تقاضا ہے کہ وہ اس نعمت پر عملی شکر کا مظاہرہ کرے، جس کی صحیح صورت یہ ہے کہ اس نعمت کا جیسا استعمال کرنے کا حق ہے ویسا استعمال کرے۔

اسی لیے زبان جیسی عظیم نعمت دے کر اس کے تقاضے بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ زبان کے ساتھ انسان کے فقط الفاظ کا تعلق نہیں بلکہ یہ انسانی کردار کی آئینہ دار ہے اور بہت سے نیک و بداعمال کا بھرپور تعلق اس زبان کے استعمال سے ہے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں تقریباً 20 بڑے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کا تعلق زبان سے ہے، مثلاً جھوٹ، گالی، غیبت، طعنہ، تمسخر، چغلی، عیب جوئی، ناشکری، بدگوئی، لعنت، ملامت، فضول گوئی، شرک، کثرتِ کلامی، بہتان، تکبر وغیرہ جیسی تمام روحانی بیماریوں کا زبان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

اسی لیے اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں الفاظ کی پہرہ داری کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ" انسان اپنی زبان سے جو بھی الفاظ نکالتا ہے، ان الفاظ کو ایک حاضر باش فرشتہ نوٹ کرلیتا ہے (ق)

ایک جگہ فرمایا: "اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ. كِرَامًا كَاتِبِيْنَ"
تم پر اعمال کو محفوظ کرنے والے معزز فرشتے مقرر ہیں۔ (انفطار)

مقصد یہ ہے کہ احتیاط سے بولو، کیوں کہ انسانی الفاظ ہوا میں اڑ کر ضایع نہیں ہو رہے، لہٰذا طویل گفتگو تو اپنی جگہ تمہارے منہ سے نکلنے والے دو چار الفاظ بھی نوٹ کیے جارہے ہیں۔

انسان اپنی گرفت سے ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر گفتگو کے دوران کسی کے سامنے Voice Recorder رکھا جائے تو چرب زبان انسان بھی اپنے الفاظ کو تول تول کر اور بنا سنوار کر منہ سے نکالتا ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے "حَافِظِيْنَ" کا ذکر فرما کر سمجھا دیا کہ اگرچہ تمہارے سامنے کوئی ریکارڈر نہیں، لیکن اس سے کئی گنا بڑھ کر چاق و چوبند فرشتے اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔

یہاں تک کہ انسان جب صبح سویرے اٹھتا ہے تو اعضائے انسانی ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں: تمام انسانی اعضا زبان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ

"اِتَّقِ اللهَ فِيْنَا، فَاِنَّكَ اِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا، وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا"

اے زبان! تم اکیلی ایک الگ حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ ہم بھی تمہارے ساتھ ساتھ ہیں، لہٰذا جب تک تمہارا استعمال درست ہوتا رہے گا، تب تک ہم بھی اپنا کام ٹھیک سے کرتے رہیں گے، لیکن اگر تم میں ٹیڑھ پن آگیا تو یہ کج ہمیں بھی اپنے ساتھ لے ڈوبے گی۔ (مسند احمد)

اسی طرح سورہ نور میں فرمایا: "يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ"
قیامت کے دن زبان بھی انسان کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گی اور بتائے گی کہ اس شخص نے میرا کس قدر ظالمانہ استعمال کیا۔

ایک روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ"

جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ اپنی زبان و شرم گاہ کا غلط استعمال نہیں کرے گا، میں ایسے شخص کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (بخاری)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبلؓ سے فرماتے ہیں کہ "اے معاذ! اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ حضرت معاذؓ سوال کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا زبان کی وجہ سے بھی ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپ فرماتے ہیں تمہاری ماں تمہیں گم کرے، بہت سے لوگ اس زبان کی وجہ سے جہنم میں اوندھے منہ پڑے ہوں گے۔" (ترمذی)

اسی طرح آپ علیہ السلام نے جب مسلمان کی تعریف ذکر فرمائی تو زبان و اعضا سے

تکلیف نہ پہنچانے والے کے عنوان سے فرمایا: ”اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ“

”مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان بھائی محفوظ رہے۔“ (بخاری)

آپ علیہ السلام اپنے ذاتی معمولات میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ کس قدر احتیاط پر مبنی معمول پر عمل پیرا تھے، جس کی ایک جھلک اس روایت میں ملتی ہے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: ”خَدَمْتُ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ، فَمَا قَالَ لِيْ: أُفٍّ قَطُّ“ وَمَا قَالَ لِيْ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ: لِمَ صَنَعْتَهُ؟ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ: لِمَ تَرَكْتُهُ؟“

میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، لیکن اس طویل عرصے میں آپ نے مجھے کبھی نہیں ڈانٹا، یہ کیوں کیا؟ یہ کیوں نہیں کیا؟ وغیرہ ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔ (بخاری)

اسی لیے مشہور تابعی حضرت طاوسؒ زبان کی حیثیت کو اس طرح ذکر فرماتے ہیں کہ ”میری زبان ایک درندے کی طرح ہے جس کو میں نے روکا ہوا ہے، اگر میں اس درندے کو چھوڑ دوں تو یہ مجھ پر ہی حملہ آور ہو جائے گا۔“ یعنی زبان کی درندگی کا شکار خود صاحبِ زبان بن جاتا ہے۔

ذیل میں ہم کچھ ایسے مختصر نکات ذکر کرتے ہیں جو زبان کے استعمال میں ملحوظ رہنے چاہییں۔

(1) بامقصد گفتگو کی جائے

جس گفتگو کا کوئی مقصد ہی نہ ہو بلکہ بے ہنگم، وقت گزاری اور بغیر دھیان کے بات کی جا رہی ہے، ایسی گفتگو اور ایسی مجالس سے اپنے آپ کو دور رکھا جائے۔

نوٹ: یاد رہے کہ بعض اوقات انسان اپنی طبیعت میں بشاشت اور تازگی کے لیے گپ شپ اور باہمی الفت و مزاح کی مجالس قائم کرتا ہے، وہ اس کا حصہ نہیں کیوں کہ ایسی مجالسِ انسان کے بدن و ذہن کو تازگی بخشنے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

(2) سیدھی بات

قرآنِ کریم میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کیا کرو۔ (احزاب)

بات میں ٹیڑھ پن، طنز، طعنہ اور کئی ایک مطالب کا اندیشہ نہ ہو، کسی کو کہہ کر کسی کو سنانا، جملے کسنا، سوال کچھ جواب کچھ، ٹال مٹول اور لمبی مگر بے معنی گفتگو، یہ سب گفتگو کے غلط طریقے ہیں۔ اسی لیے فرمایا ایسی سیدھی بات کرو جس میں مقصدیت، جامعیت اور بھرپور معنویت پائی جائے۔

(3) گفتگو میں حسن اور نرمی کا ہونا

فرمایا: وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ”لوگوں سے اچھی بات کرو۔“ (بقرہ)

اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ ”اچھی بات کا منہ سے نکالنا یہ بھی صدقہ ہے۔“ (بخاری)

یعنی جب انسان بولے تو اچھا بولے، اپنے منہ سے گند نہ انڈیلے بلکہ اس کی گفتگو سے لوگوں کی طبیعت خوش ہو جائے اور مخاطب کا دل چاہے کہ یہ مزید بولے۔

ہر بات کو کہنے کا اچھا اور برا دونوں طریقے ہوتے ہیں، جیسے کوئی کہے کہ ”آپ کا فون ٹھیک کام نہیں کر رہا۔“ اور کوئی کہے کہ ”آپ کا فون گھٹیا ہے۔“ دونوں جملوں کا معنی ایک ہے، لیکن اندازِ بیان مخاطب کے سینے میں ایک جملہ کہہ کر بلند اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے اور دوسرا جملہ کہہ کر کم ظرفی کا۔ اسی طرح نرمی کا ذکر کر فرمایا کہ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ”تم دونوں فرعون سے نرمی سے بات کرو۔“ (طٰہٰ)

وقت کے جابر اور ظالم حکمران فرعون کے پاس دو پیغمبر بھائی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو بھیجا جا رہا ہے، لیکن طرزِ گفتگو میں نرمی کی تلقین کی جا رہی ہے۔

(4) نفرت انگیز گفتگو سے اجتناب

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا“

لوگوں میں خوشیاں بانٹو، نفرتیں مت پھیلاؤ (مسلم)

ایسا نہ ہو جب بھی بولے تو مسائل کھڑے کرے اور جب بھی مسئلہ حل کرنا چاہے تو مسئلہ مزید بڑھا دے بلکہ ایسی گفتگو ہو کہ جس میں لوگوں کے لیے خیر کا پہلو غالب ہو۔

گفتگو میں نفرت، بغض، حسد اور کینے کی آگ نہ چھلکے جس کی وجہ سے فرقہ واریت، پھوٹ اور توڑ جنم لے۔

ہم ذرا تصور کریں کتنا ہی کمال ہو گا اس گفتگو میں جس میں علوم، فنون، قرآن، حدیث، سیرت، تہذیب، تاریخ، مزاح، ادب، شاعری، معلومات عامہ یا عام و خاص مشاورت پر بات ہوتی ہو اور کسی بھی مسلمان بھائی کی ذات، کوئی گھر، فیملی موضوع نہیں بنتی۔

(5) مختصر پُر اثر گفتگو

جب گفتگو مقصد اور ضرورت کے مطابق کی جائے گی تو وہ اتنی ہی مختصر اور پُراثر ثابت ہو گی، جب بات کا مدّعا واضح ہو تو اسے طول دینے کی ضرورت نہیں، جو بات 2 منٹ میں ہو سکتی ہے اسے 15 منٹ میں کرنا بے ادبی ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ“

”اللہ نے مجھے جامع کلمات ادا کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔“ (بخاری)

آپ کے ان جامع کلمات کو جوامع الکلم چہل حدیث کی صورت میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جمع فرمایا ہے مثلاً ہمیں نیت اور عمل کا تعلق بتانے میں کم از کم پانچ منٹ چاہییں، لیکن آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ اور بات آدھی سے کم سطر میں مکمل ہو جاتی ہے۔ زیادہ بولنا، مسلسل بولنا اور بولتے رہنا کم عقل ہونے کی علامت ہے، جس سے اپنی شخصیت اور اوروں کا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔

(6) اچھا سننا، اچھا بولنا

ہمارے معاشرے میں ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہم اچھی گفتگو اور اچھے سے بولنے، اپنے مافی الضمیر کو بہتر انداز میں پیش کرنے کو باہمی گفتگو کا کمال سمجھتے ہیں، حالاں کہ ماہرین کے مطابق اچھی گفتگو کا راز فقط بولنے میں نہیں بلکہ بھرپور توجہ کے ساتھ سننے میں بھی ہے۔

لہٰذا آداب میں شامل ہے کہ فقط بولتے رہنا اچھا نہیں بلکہ اپنے مخاطب کو بھی موقع دینا، جب تک سوال مکمل نہ ہو سنتے جانا، بات کو بیچ سے نہ کاٹنا، بھری مجلس میں آدھے گھنٹے گفتگو کے بہانے تقریر کرنا اور جب مخاطب بولے موبائل میں لگ جانا اور سرگوشی کرنا یہ سب کام صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتے۔

(7) اپنی زبان کو قابو کرنے کا طریقہ

یقیناً زبان کا بے جا استعمال بہت سے مسائل پیدا کرتا ہے، اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہترین طریقہ کار سمجھایا ہے جسے اختیار کر کے ہم اس آلے کا بخوبی استعمال کر سکتے ہیں۔ فرمایا:

”مَنْ صَمَتَ نَجَا“ جس نے خاموشی اختیار کی وہ کامیاب ہوا۔ (ترمذی)

اپنے آپ کو خاموشی اور سکوت کا عادی بنانا اپنی زبان کو خود پر مالک بنانے کے بجائے اس پر مالک بن جانے کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے بڑے فرماتے ہیں ”ایک چپ سو سکھ“ لہٰذا جب تک خاموشی ہے تب تک معاملات قابو میں ہیں اور خاموشی کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ایک شخص مکمل خاموش رہے بلکہ ماہرین فرماتے ہیں کہ خاموش انسان کی زبان رکی رہتی ہے، لیکن ذہن بہت اچھی طرح چلتا رہتا ہے اور بھرپور توجہ کے ساتھ گفتگو سنتا رہتا ہے اور خوب سمجھ سمجھ کر اپنے جواب کو مدلل کرتا ہے اور بر موقع مختصر پُراثر بات کہہ کر اپنی خاموشی کو بہترین الفاظ کا لباس پہناتا ہے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

"مسافع بن صفوان! یہ رشتہ دینے کے لیے میری ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ تو مجھے کشتی میں پچھاڑ دے، اگر ایسا ہو گیا تو میں سمجھ لوں گا کہ جویریہ بنتِ حارث کو دیوتاؤں نے تیرے لیے پسند کر لیا۔

اور اگر میں ہار گیا؟۔۔۔۔ مسافع بن صفوان نے اس کے کسرتی چست و پھرتیلے بدن کو دیکھتے ہوئے کہا تو پھر سمجھ لیجیو کہ ربِّ کعبہ کو تیرا اور جویریہ کا جوڑ منظور نہیں۔

حارث بن ابی ضرار کو اپنی فتح کا یقین تھا، مسافع بن صفوان نے لمحہ بھر اسے دیکھا، رخ پر اُمید و بیم کے آثار تھے، ذرا سی کوشش و دلیری کے بعد جویریہ جیسی حسین ترین لڑکی کا حصول مہنگا سودا نہ تھا، اس نے سوچا اور لمحہ بھر میں فیصلہ ہو گیا اور اس نے حارث بن ابی ضرار کی شرط منظور کر لی۔

مقابلے کا دن مقرر ہو گیا اور آج یہی مقابلہ دیکھنے کے لیے قبیلہ بنو مصطلق کے جوان بوڑھے سانس روکے ہوئے کھڑے تھے جو قبیلے کے بڑے میدان میں ان کے معبود "وَد" کے سامنے ہو رہا تھا اور اس میں ہونے والا ہر فیصلہ اسی معبود "وَد" کی طرف سے تصور کیا جاتا تھا۔ دو قوی الجثہ بہادر اکھاڑے میں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے دونوں ہی دوسرے کو زیر کرنے کے لیے اپنے اپنے داؤ پیچ لگا رہے تھے اور اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اچانک دیکھنے والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ ہمیشہ کا فاتح ناقابلِ تسخیر بہادر زمین پر چت پڑا ہوا تھا، نوجوان پہلوان نے اسے پچھاڑ دیا تھا۔ جوانوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر مسافع بن صفوان کو کندھوں پر اٹھایا اور میدان کا چکر لگانے لگے۔ اس وقت حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلے کے معبود "ود" کے سامنے سجدے میں پڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

"میرے معبود اگر تیری مرضی یہی ہے تو مجھے کوئی انکار نہیں میں مسافع بن صفوان کو معمولی جوان سمجھتا تھا، مگر تیرے اس فیصلے نے ثابت کر دیا کہ وہ میری بیٹی جویریہ کے قابل ہے۔"

جویریہ بنت حارث قبیلہ خزاعہ کے ایک بڑے خاندان بنو مصطلق کے رئیس کی بیٹی تھی جو مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلے پر مریسیع کے مقام پر آباد تھا۔ جویریہ بنت حارث بہت حسین تھیں، ان کا قبیلہ ہر سال زیارتِ کعبہ کے لیے بھی جاتا تھا اور "وَد" کی پرستش بھی کرتا تھا۔ جویریہ بنت حارث کو اس بات پر فخر تھا کہ ان کا قبیلہ قریش کا حلیف اور ہم عہد ہے۔

جویریہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا چہرہ اس قدر تابناک اور جبیں اس قدر روشن تھی کہ ان کی پیدائش کے بعد کئی دن تک قبیلے والے انھیں دیکھنے کے لیے آتے رہے اور ان کے باپ حارث بن ابی ضرار جن کے خاندان میں لڑکی کی پیدائش اچھا شگون نہ سمجھی جاتی تھی، ان کی ولادت پر بہت مسرور ہوئے۔ جویریہ بنت حارث جوان ہوئیں تو شادی کے لیے پیغامات آنا شروع ہوئے، لیکن قدرت نے انھیں مسافع بن صفوان کے نصیب میں لکھا تھا جو ضدی اور تند مزاج تھا۔

انھوں نے اپنے باپ اور شوہر دونوں کو اسلام کا بدترین دشمن پایا ان کے گھروں کی محفلوں میں سب سے اہم موضوع یہی تھا۔ قبیلے کے سب ہی معززین قریش کے ساتھ مل کر آتے اور دینِ اسلام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے جب انھوں نے شعور کی آنکھ کھولی تو سارے قبیلے کا ماحول ہی یہ تھا۔ ان کا قبیلہ قریش کا حلیف تھا اور قبیلے کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا جو قریش کی ہر محفل میں شریک ہو کر نمایاں کردار ادا کرتا اور اس کی مکمل تفصیل اپنے قبیلے میں آکر بیان کرتا، سب سے پہلے جویریہ بنت حارث نے سنا: "قریش کے سب سے معزز سردار اور کعبہ کے شیخ ابو طالب کے بھتیجے نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔"

ابو طالب بارہا دوسرے تاجروں کے ساتھ تجارتی سفر کرتے رہتے تھے، جن میں حارث بن ابی ضرار بھی شامل تھا، لہٰذا یہ سب انھیں اچھی طرح جانتے تھے، ایسے میں اس خبر کو ان سب نے دل چسپی سے سنا اس کے ساتھ ہی نئی صورتِ حال سامنے آئی خبر ملی۔ قریش کے تمام قبیلوں کے معززین اس نبی کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔

جویریہ بنتِ حارث کو ابھی اسلام کے بارے میں معلومات نہ تھیں، نہ انھیں اس دین سے کوئی رغبت یا دل چسپی تھی۔ ہاں تمام حالات سن سن کر دل میں ایک تمنا ضرور پیدا ہو گئی تھی کہ قریش کے اس شخص کو دیکھیں جس کے بارے میں ایک بات سب ہی کہتے تھے۔

"ابو طالب کا بھتیجا جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے باتوں باتوں میں جادو کر دیتا ہے۔ جس سے ایک بار کلام کرے وہ اپنے دین سے پھر کر اس کے دین کی طرف اس طرح مائل ہوتا ہے کہ پھر کوئی اذیت کوئی سزا کوئی تدبیر اسے اس کے آبائی دین کی طرف واپس نہیں لا سکتی۔" یہ سن کر وہ چاہتیں کہ ایک بار ضرور اس شخص کو دیکھیں اور جب ہی سے ان کے قبیلے کے لوگ ہر روز اپنے بت کے سامنے جا کر اس قریشی سے پناہ کے لیے دعا کرتے اور اپنے بت "وَد" پر چڑھاوے چڑھاتے اور ان کی آرزو پختہ سے پختہ ہو جاتی، یوں وقت گزرتا رہا، جویریہ کے والد اور شوہر نے اسلام کی مخالفتیں شروع کر دیں اور پورا قبیلہ اپنی نصرت کو عمل کا رنگ دینے لگا۔

پس حارث بن ضرار نے جنگ کا ارادہ کیا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی اور باقاعدہ اپنے معززین سے مشورہ کیا تو سب اٹھ اٹھ کر اپنی رائے دینے لگے۔

اِدھر اس کے حکم پر تیاری شروع ہوئی، اُدھر حضور ﷺ کی نظروں سے بھی ان کی تیاریاں پوشیدہ نہ تھیں۔ جنگ سے قبل دستور کے مطابق حضور ﷺ نے سردار قبیلہ اور قبیلہ کے سامنے اسلام پیش کیا، مگر حارث بن ابی ضرار نے اسے اپنی توہین سمجھتے ہوئے انکار کر دیا اور مقابلے پر اتر آیا اور جنگ کی ابتدا میں ہی جب اس کے بارہ پندرہ آدمی مارے گئے تو وہ بھاگ گیا، اب مریسیع کے لوگوں کی سرداری مسافع بن صفوان کے حصے میں آئی، وہ بڑی شان سے آکڑتا ہوا اسلامی فوج کے مقابلے پر آیا، اپنے آدمیوں کو تیر اندازی کا حکم بھی دیا، لیکن جلد ہی پیر اُکھڑ گئے۔ اس غزوہ میں مریسیع کے 600 آدمی گرفتار ہوئے۔ مالِ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مسلمانوں کو ملیں۔

قتل ہونے والوں میں جویریہ بنت حارث کے شوہر مسافع بن صفوان بھی شامل تھے، جس وقت جنگ ختم ہوئی اور مسلمان فتح پا کر مالِ غنیمت لیے مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ رہے تھے، اس وقت قیدیوں میں جویریہ بنت حارث بھی تھیں۔ ان کا شوہر قتل ہو چکا تھا اور باپ فرار اور وہ تہی دست پریشان تھیں اور اپنے حال کے بارے میں سوچوں میں گم تھیں، اسلام کے بارے میں انھیں کچھ بھی علم نہ تھا۔ بس اس وقت وہ مشرکین فاتحین کا تصور کر رہی تھیں جو مفتوح سے ہر قسم کا سلوک روا رکھنے کو جائز سمجھتے تھے اور مفتوحہ علاقوں کی ہر شے کو اپنا مال سمجھتے، خواہ وہ انسان ہی کیوں نہ ہوتے الغرض کہ خاندان بنو مصطلق کی 24 سالہ خاتون ماضی و حال پر نظر کیے اپنے مستقبل کے اندیشوں میں مبتلا تھی کہ دیکھیے یہ فاتحین اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں، وہی جو ہر فاتح مفتوح کے ساتھ کرتا ہے۔

حضور ﷺ مدینہ طیبہ پہنچے اور مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا تو جویریہ بنت حارث قیس بن ثابت بن شماس کے حصے میں آئیں جو ان کے قبیلے کے قرابت دار قبیلے کے فرد تھے، انھوں نے دیکھا اور بولیں: "قیس بن ثابت! میں تمہاری باندی بن کر نہیں رہوں گی تم مجھے آزاد کر دو۔"

یہ سن کر قیس بن ثابت نے کہا۔ مکاتبت کر لو، میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ اسلام کی رو سے دستور ہے کہ اگر آقا راضی ہو تو باندی کچھ رقم دے کر آزادی حاصل کر سکتی ہے، اسے مکاتبت کہتے ہیں۔ جویریہ نے یہ بات سنی اور سوچا کہ اس اصول کے مطابق وہ بھی مکاتبہ بن کر آزادی لے سکتی ہیں، مگر اس شرط کے مطابق انھیں 19 اوقیہ سونا ادا کرنا تھا، جو ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھا۔ وہ مفلس و تہی دست تھیں، لہٰذا افسردہ ہو کر بیٹھ گئیں اور مختلف خیالات نے انھیں گھیر لیا کبھی سوچتیں۔ کاش! ان کا باپ مسلمانوں کو نہ چھیڑتا یا پھر دلیروں کی طرح مقابلہ کرتا، ورنہ وہ بھی جنگ میں ماری جاتیں۔

پھر انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ اپنے ہی قیدی بھائیوں سے چندہ مانگ کر قیس بن ثابت کی مطلوبہ رقم ادا کر دیں، مگر یہ کوشش بے کار گئی، یہ لوگ کسی کی مدد کرنے والے نہ تھے، دیر تک کئی کو آزمانے کے بعد انھوں نے سوچا کیوں نہ مسلمانوں سے ہی مدد مانگیں۔ یہ سوچتے سوچتے ان کے پردہ ذہن پر ایک خیال ابھرا جو جمتا چلا گیا!!

کیوں نہ اسی شخص سے مدد مانگی جائے، جس کی اولوالعزمی اور دلیری کی داستانیں سن سن کر وہ اسے دیکھنے کی تمنائی تھی، اب انھوں نے سوچا کہ اس طرح اسے ایک نظر دیکھ بھی لوں گی اور اندازہ بھی ہو جائے گا کہ وہ کتنا اعلیٰ ہے اور اعلیٰ ہے بھی یا نہیں؟

یہ سوچ کر انھوں نے قیس بن ثابت سے کہا کہ انھیں دربارِ رسالت میں لے جائیں جس وقت وہ وہاں پہنچیں تو حضور ﷺ مصروف تھے، لیکن قیدی ملاقاتی خاتون کو انھوں نے نظر انداز نہیں کیا، جویریہ بنت حارث خدمت میں پہنچیں تو انھیں لگا کہ آفتابِ رسالت کے رُخِ انور پر نظر پڑتے ہی دل کے گوشہ گوشہ نے حق کی گواہی دینی شروع کر دی۔

"جویریہ! یہ شخص صادق ہے، سچا ہے اور بلاشبہ یہی وہ انسان ہے، جس کی بشارت یہودیوں کی الہامی کتاب میں موجود ہے۔"

مگر اس وقت انھوں نے دل کی گواہی کا اقرار زبان سے نہیں کیا بلکہ عرض کیا! "یارسول اللہ (ﷺ)! میں سردار قبیلہ حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں جو میدان سے فرار ہو گیا اور دوسرے سردار مسافع بن صفوان کی بیوی ہوں جو اس جنگ میں مارا گیا اور اب قیدی بن کر قیس بن ثابت کے حصے میں آئی ہوں، مگر میں ان کی باندی بن کر ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، اب وہ مجھے 19 اوقیہ سونے پر آزاد کرنے کے لیے تیار ہیں جو میرے امکان میں نہیں ہے اور میرے ساتھیوں میں سے کوئی مدد کو تیار نہیں ہے۔ اب میں آپ کے بھروسے پر یہ سوال کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں، کیا آپ ﷺ میری مدد کریں گے؟"

یہ گزارش سن کر حضور ﷺ نے یہ رقم ادا کر دی اور جویریہ بنت حارث نے ان تمام اوصاف کو تسلیم کر لیا جنہیں دیکھے بنا سنتی رہی تھیں، انھیں لگا کہ دیدار کرنے سے پہلے تمنائی تھیں اور دیکھ لینے کے بعد معتقد ہیں۔ حضور ﷺ نے جویریہ کی طرف سے آزادی اور مدد کے سوال پر فرمایا:

"کیا تم اس سے بہتر چیز کی خواہش کرو گی؟"

"وہ کیا چیز ہے؟" جویریہ بنت حارث نے سوال کیا۔

"یعنی میں یہ رقم ادا کر کے تم سے نکاح کر لوں؟"

اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی بات کی وضاحت کی تو جویریہ بنت حارث راضی ہو گئیں اور حضور ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔

اور انھوں نے دل کی گہرائیوں سے ہر شے پر خدمتِ اقدس میں رہنے کو ترجیح دی، اس وقت اس نکاح کا پہلا اثر یہ ہوا کہ تمام فاتح مسلمانوں نے بنو مصطلق کے باندی غلام کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ اب بنو مصطلق حضور کے سسرالی رشتہ دار بن گئے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم نے کسی عورت کو جویریہ سے زیادہ بابرکت خاتون نہیں دیکھا کہ ان کی وجہ سے ان کی قوم بنو مصطلق کے سو گھرانے آزاد ہو گئے۔ (ابوداؤد، کتاب العتق)

اُم المومنین حضرت جویریہ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ جب جویریہ حضور ﷺ کے پاس ملنے کے لیے آئیں تو میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ بے حد روشن تھا، اتنا روشن کہ میں نے سوچا کہ شاید حضور انھیں دیکھ رہے ہوں گے، میں نے دیکھا حضور ﷺ انھیں دیکھ رہے تھے۔ میں نے سوچا شاید حضور ﷺ ان سے عقد کریں گے، پھر حضور ﷺ نے ان سے عقد کر لیا۔ حضرت جویریہؓ نہایت عابد و زاہد خاتون تھیں، اپنا اکثر اوقات نماز اور وظائف و درود میں صرف کرتیں، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے انھیں صبح مصلّے پر بیٹھے ہوئے دیکھا اور دوپہر کے قریب جب گھر تشریف لائے تو وہ اسی جگہ مصروفِ عبادت تھیں فرمایا:

جویریہ! تم صبح سے پڑھ رہی ہو؟ انھوں نے جواب دیا جی ہاں! اُم المومنین حضرت جویریہؓ نے ربیع الاوّل 50 ہجری میں 65 برس کی عمر میں وفات پائی۔ دیگر اُمہات المومنین کی طرح ان کی آخری آرام گاہ بھی مدینہ منورہ میں "جنت البقیع" میں ہے۔

perfect®

BODY SPRAY

ALL DAY LASTING

MESMERISING • RAVISHING • ATTRACTIVE

perfectairfreshener PFreshener www.se.com.pk info@se.com.pk

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

نکاح کے بعد رخصتی میں تاخیر کا حکم

سوال: نکاح کے بعد فوراً رخصتی کرنا ضروری ہے، یعنی کسی مصلحت و مجبوری کی وجہ سے اس میں کچھ تاخیر کی جاسکتی ہے، نیز تاخیر کی صورت میں میاں بیوی کی بات چیت اور میل ملاقات میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

جواب: واضح رہے کہ نکاح ہونے کے بعد حتی الامکان رخصتی میں بلاوجہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ شریعتِ مطہرہ میں بالغ ہونے کے بعد جلد نکاح کرنے کے جو مقاصد ہیں (مثلاً: عفت و پاک دامنی کا حصول) وہ رخصتی سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں، البتہ کسی معقول عذر (مثلاً: رہائش کا فی الحال انتظام نہ ہونے وغیرہ) کی بنا پر اگر رخصتی میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

نکاح کے بعد لڑکا اور لڑکی دونوں کی حیثیت ایک دوسرے کے لیے شوہر اور بیوی کی ہے، اگرچہ رخصتی نہ ہوئی ہو، اس لیے شرعاً کسی بھی قسم کا تعلق رکھنا منع نہیں ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ رخصتی سے پہلے ایسے تعلقات سے پرہیز کیا جائے جو خاندان اور معاشرے میں نکاح سے پہلے معیوب سمجھے جاتے ہوں، کیوں کہ بعض اوقات رخصتی سے پہلے بے تکلّفانہ تعلّقات سے بہت سے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔

ایجاب و قبول میں لڑکی کی ولدیت تبدیل کرنے کا حکم

سوال: اگر مجلسِ نکاح میں ایجاب و قبول کے دوران لڑکی کا وکیل یا نکاح خواں لڑکی کے والد کے نام میں غلطی کر دے، یعنی لڑکی کا نام لیتے ہوئے اس کے ساتھ حقیقی والد کے بجائے کسی اور (مثلاً سوتیلے والد یا مرتّی) کا نام لے اور اس کی طرف لڑکی کو منسوب کرے تو ایسی صورت میں نکاح کا کیا حکم ہوگا، آیا یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں نکاح درست نہیں ہوگا، البتہ اگر لڑکی خود مجلسِ نکاح میں حاضر ہو اور بجائے وکیل کے خود ایجاب و قبول کرے یا اس کی طرف اشارہ کرکے ایجاب و قبول کیا جائے تو ولدیت کی غلطی کی صورت میں نکاح صحیح ہو جائے گا۔

لہٰذا اگر لڑکی مجلسِ نکاح میں موجود نہ ہو یا موجود تو ہو، لیکن اس نے نہ تو خود ایجاب و قبول کیا ہو اور نہ ہی ایجاب و قبول کے دوران اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں ایجاب و قبول کے دوران اس لڑکی کی ولدیت میں تبدیلی کرنے کی صورت میں اس کا نکاح نہیں ہوگا۔ (الدر المختار مع رد المحتار 3.26)

میت کے گھر چولہا جلانے کا حکم

سوال: عوام میں بات مشہور ہے کہ جس گھر میں فوتگی ہو جائے تو وہاں تین دن تک چولہا جلانا یعنی کھانا وغیرہ پکانا جائز نہیں، حتی کہ اگر اس گھر میں گھر والوں یا مہمانوں کے لیے کوئی چیز پکانے کی کوشش کی جائے تو اس کو نہ صرف برا سمجھا جاتا ہے، بلکہ اس پر طعن وملامت بھی کی جاتی ہے۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسے موقع پر شریعت ہماری کیا رہ نمائی کرتی ہے؟ برائے مہربانی اس سے آگاہ فرمادیں!

جواب: واضح رہے کہ مذکورہ بالا سوچ اور عوام کا رویہ شرعاً درست نہیں ہے۔ دراصل یہ ایک غلط فہمی ہے جو کہ بظاہر اس لیے پیدا ہوئی کہ چوں کہ میت کے لواحقین میت کی تجہیز و تکفین اور دیگر امور میں مشغول رہتے ہیں اور ان کو اپنے عزیز کے بچھڑ جانے کا طبعی طور پر غم بھی لاحق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے عموماً ان کو اپنے کھانے پینے اور اس کے انتظام کرنے کی نہ تو فرصت میسر آتی ہے اور نہ ہی اس کی طرف توجہ رہتی ہے، اس لیے شریعت نے اہلِ میت کے دیگر عزیز و اقارب اور پڑوسیوں کے ذمے ایک دن رات کا کھانا اہلِ میت کے ہاں بھیجنا مستحب قرار دیا ہے۔ اس مسئلے کی وجہ سے بہت سے لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ میت کے گھر تین دن تک چولہا جلانا ہی ناجائز اور برا ہے۔ اس غلط فہمی کی اصلاح کے لیے چند باتیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

1. اہلِ میت کے دیگر عزیز و اقارب اور پڑوسیوں کی جانب سے میت کے گھر کھانا بھیجنا ایک مستحب عمل ہے، جس کا اہتمام بہت اچھی بات ہے، لیکن یہ کھانا بھیجنا واجب اور ضروری نہیں، لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ فوتگی کے تین دنوں میں بھی اہلِ میت کے ہاں چولہا جلانا جائز ہے، ورنہ تو اہلِ میت کے دیگر عزیز و اقارب اور پڑوسیوں کی جانب سے کھانا نہ بھیجے جانے کی صورت میں اہلِ میت اپنے اور اپنے مہمانوں کے لیے کھانے وغیرہ کا انتظام کیسے کریں گے؟ کیا اہلِ میت کے دیگر عزیز و اقارب اور پڑوسیوں پر کھانا بھجوانے کے لیے جبر کیا جائے گا؟ یا اہلِ میت کے ذمے باہر کسی ہوٹل وغیرہ سے کھانا منگوانے یا اپنے دیگر رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے کھانا طلب کرنے کو ضروری قرار دیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک نامعقول بات ہے۔

مزید یہ کہ یہ کہنا بھی بلادلیل ہے کہ اہلِ میت کے ہاں چولہا نہ جلانے کا حکم اس

صورت میں ہے کہ جب اہلِ میت کے دیگر عزیز واقارب اور پڑوسیوں کی جانب سے کھانا بھیجا جائے۔ شریعت میں ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

2. شریعت نے میت کے دیگر اعزہ واقارب اور پڑوسیوں کی جانب سے میت کے گھر ایک دن رات کا کھانا بھیجنا مستحب تو قرار دیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ میت کے اہلِ خانہ کے لیے اپنے گھر میں اپنے یا اپنے مہمانوں کے لیے کچھ پکانا ناجائز ہے، کیوں کہ ایسی کوئی بات شریعت سے ثابت نہیں، گویا کہ شریعت نے میت کے گھر ایک دن ایک رات کھانا بھیجنے کی ترغیب دینے کے باوجود بھی میت کے گھر چولہا جلانے کو ناجائز اور ممنوع قرار نہیں دیا ہے، اس لیے فوتگی کے تین دنوں میں میت کے گھر کھانا وغیرہ پکانے کو ناجائز کہنا شریعت سے ثابت نہیں۔

3. اگر بالفرض یہ من گھڑت بات ایک لمحے کے لیے تسلیم کرلی جائے کہ فوتگی کے تین دنوں میں اہلِ میت کے ہاں جلانے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اہلِ میت کے دیگر عزیز واقارب اور پڑوسی اہلِ میت کے ہاں کھانا بھیجتے ہیں تو تب بھی یہ بات درست نہیں بیٹھتی، کیوں کہ شریعت نے تو اہلِ میت کے ہاں صرف ایک دن رات کھانا بھیجنے کو مستحب قرار دیا ہے، جبکہ لوگ اہلِ میت کے ہاں فوتگی کے تین دن چولہا جلانے کو ناجائز اور غلط کہتے ہیں تو یہ باقی دو دن چولہا جلانے کی ممانعت کہاں سے نکالی گئی؟

4. ممکن ہے کہ بعض لوگ اہلِ میت کے گھر چولہا جلانے کو نحوست کا باعث یا معیوب قرار دیتے ہوں تو واضح رہے کہ ایسی بھی کوئی بات شریعت سے ثابت نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ فوتگی کے تین دنوں میں اہلِ میت کے گھر چولہا جلانا یعنی کھانا وغیرہ پکانا بالکل جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

میراث سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ

سوال: ایک شخص اپنی زندگی میں ہی اپنی اولاد کے درمیان میراث تقسیم کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا درست ہے؟ میں نے سنا ہے کہ میراث کے احکام کا تعلق تو انسان کے مرنے کے بعد سے ہے، یعنی انسان جو جائیداد چھوڑ کر فوت ہو جاتا ہے، اس میں شریعت کی طرف سے متعین کردہ حصّوں کے مطابق تقسیم ہوتی ہے۔

جواب: واضح رہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرنا چاہتا ہے تو بذاتِ خود ایسا کرنا جائز تو ہے، مگر اس کو جائیداد کی تقسیم تو کہہ سکتے ہیں، مگر اسے "میراث کی تقسیم" کہنا غلط ہوگا، اس لیے جیسے آپ نے سنا ہے اور درست سنا ہے کہ میراث کا تعلق انسان کے مرنے کے بعد سے ہے۔

میراث سے متعلق اس طرح کی اور بھی غلط فہمیاں ہیں جو عوام میں رائج ہیں، جن کی اصلاح نہ کرنے کی وجہ سے کئی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور کئی پریشانیاں اور جھگڑے وجود میں آجاتے ہیں۔

ذیل میں میراث سے متعلق مروّجہ غلط فہمیوں کی نشاندہی اور اس کا ازالہ کیا جاتا ہے:

میراث کا تعلق موت کے بعد سے ہے

میراث سے متعلق شریعت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ میراث کا تعلق موت کے بعد سے ہوا کرتا ہے، اس لیے زندگی میں کسی شخص کے مال وجائیداد میں میراث کے احکام لاگو نہیں ہوتے اور نا ہی ورثا کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس کی زندگی میں اپنی میراث کا مطالبہ کریں۔

اس اصول سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ جب تک والدین حیات ہوں تو ان کے مال میں اولاد یا دیگر ورثا میں سے کسی کا بھی میراث کے طور پر حصہ نہیں ہوا کرتا، اس لیے آج کل جو اولاد اپنے والدین سے ان کی زندگی ہی میں میراث کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ کے مال وجائیداد میں ہمارا بھی حصہ ہے یا وہ جبراً اپنے والدین اپنی میراث کے حصے کا مطالبہ کرتے ہیں تو واضح رہے کہ یہ سراسر غلطی ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہے۔ آج کل یہ غلط فہمی بہت زیادہ عام ہو گئی ہے، اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ شریعت کے مذکورہ حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اس غلطی کی اصلاح کرے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے قوانین بنانا بھی ناجائز اور غیر شرعی ہیں، جن کی رُو سے بیٹی کے لیے والدین کی حیات ہی میں ان سے اپنے حقِ میراث کا مطالبہ ضروری قرار دیا جائے کہ بیٹی کو والدین کے انتقال کے بعد اپنا حقِ میراث اس وقت ملے گا، جب اس نے والدین کی زندگی میں ان سے اپنے حق میراث کا مطالبہ کیا ہو۔ بصورتِ دیگر بیٹی کو میراث کا حق نہیں ملے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات شریعت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ میراث کے احکام سے ناواقفیت کی بھی دلیل ہے، اس لیے ایسے نقصان دہ، ظالمانہ اور غیر شرعی عدالتی قوانین بنانا بھی ہر گز درست نہیں۔

مورث کی زندگی میں میراث سے دست برداری معتبر نہیں

اگر مورث کی زندگی میں اس کا کوئی وارث اپنی میراث کا حصہ لینے سے انکار کردے کہ میں مورث کی موت کے بعد اپنا حصہ وصول نہیں کروں گا اور نہ ہی اس کا مطالبہ کروں گا تو ایسی صورت میں مورث کے مال سے اس وارث کا حقِ میراث ختم اور ساقط نہیں ہوتا، بلکہ مورث کے انتقال کے بعد اس کو میراث سے حصہ ضرور ملے گا، کیوں کہ میراث کا تعلق مورث کے موت کے بعد سے ہوا کرتا ہے اور مورث کی زندگی میں اس کے مال میں میراث کے احکام جاری ہی نہیں ہوتے، اس کے ساتھ ساتھ میراث کا مال تو ابھی تک اس وارث کی ملکیت میں ابھی آیا بھی نہیں، بلکہ یہ حق اس کے لیے اب تک ثابت ہی نہیں ہوا ہے تو ان وجوہات کی وجہ سے اس وارث کے لیے اپنے مورث کی زندگی میں اپنے حق میراث سے دست بردار کیسے درست ہو سکتا ہے؟

حاصل یہ کہ مورث کی زندگی میں کسی وارث کا اپنے حق میراث سے دست بردار ہونا بھی معتبر نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آج کل بعض والدین جو اپنے کسی بیٹے یا بیٹی سے یہ بات لکھوا لیتے ہیں کہ وہ اپنے حقِ میراث سے دست بردار ہو جائے اور وہ اس کا مطالبہ نہیں کریں گے تو یہ بات شریعت کی نظر میں بے معنیٰ اور غیر معتبر ہے، بلکہ اس دست برداری کے باوجود بھی جب والدین کا انتقال ہو جائے اور وہ میراث چھوڑ جائیں تو اس میں دیگر ورثا کی طرح اس دست بردار ہونے والے بیٹے اور بیٹی کا حصہ بھی ہوگا جو کہ انھیں ضرور ملے گا، اس لیے دیگر وارثوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کو ان کے حق سے محروم کردیں۔

عورت کی تعلیم اور طلاق

سوال: بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عورتوں کو تعلیم نہیں دلانی چاہیے، اس لیے کہ تعلیم یافتہ عورت اچھی بیوی نہیں بن سکتی، ان میں طلاق کی کثرت کی وجہ ان کی تعلیم کا غرور ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: یہ بات درست نہیں ہے، اس لیے کہ طلاق کا تعلیم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، کیوں کہ طلاق تو ان پڑھ خواتین میں بھی ہو جاتی ہے، البتہ یہ بات اہم ہے کہ آج ہمارے ہاں جس طرح کا تعلیمی نظام موجود ہے، اسے اگر تعلیم نہ ہی سمجھا جائے تو بہتر ہے۔ تعلیم میں اگر تربیت شامل نہ ہو تو وہ تعلیم کاغذ کے ٹکڑوں کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تعلیم سے انسان ایک اچھا ڈاکٹر، انجنیئر یا سائنس دان تو بن سکتا ہے، لیکن اچھا شوہر، اچھی بیوی، اچھا باپ، اچھی ماں یا اچھی اولاد کبھی نہیں بن سکتا اور اگر ڈاکٹر، انجنیئر یا سائنس دان بننے کے بعد اچھے والدین یا پرسکون زندگی گزارنے کے لیے اچھے میاں بیوی ہی نہ بن سکے تو پھر فائدہ ہی کوئی نہیں ہے، کیوں کہ ازدواجی زندگی اگر پُرسکون نہ ہو یا گھریلوں ماحول بہتر نہ ہو تو انسان کے لیے اس کی کوئی بھی کامیابی اہمیت نہیں رکھتی۔

مسئلہ عورت کی تعلیم کا نہیں، بلکہ مسئلہ درست تعلیم کا نہ ہونا ہے۔ تربیت کے اس فقدان نے مرد اور عورت دونوں کو خود غرض، مفاد پرست اور انا پرست بنانے کے ساتھ ساتھ مغرور بھی بنا دیا ہے، جس کے نتیجے میں انسانی معاشرہ پُرسکون زندگی کی جنت سے نکل کر بے سکونی کے جہنم میں آگرا ہے۔

امراض واحتیاط

آخری حصہ

سرطان

حکیم شمیم احمد

خلیات کا بغاوت پر آمادہ ہونا

کسی شخص کے جسم میں موجود خلیات جب بغاوت پر آمادہ ہو جائیں تو پہلے سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر کوئی شخص ان چیزوں کو استعمال کر رہا ہے جو خلیات کو بغاوت پر اکسا کر سرطان پیدا کر سکتے ہیں تو پھر سرطان پیدا ہونے کے امکانات واضح ہو جاتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلیوں کو بغاوت پر اکسانے والی چیزیں کون کون سی ہیں؟ تو انھیں ہم دو حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ ابتدا کرنے والی، دوسری ترقی دینے والی۔ مثلاً سرطان کی ابتدا کرنے والی چیزیں جسم کے خلیات میں توڑ پھوڑ پیدا کر دیتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کے باغی ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ سگریٹ نوشی، ایکسریز اور بعض کیمیائی چیزوں کو ہم سرطان کی ابتدا کرنے والی چیزوں کی فہرست میں رکھ سکتے ہیں۔ سرطان کو ترقی دینے والی چیزیں خود تو سرطان کا مرض پیدا نہیں کرتیں، لیکن سرطان کی ابتدا ہو چکی ہو تو اسے تیزی کے ساتھ بڑھا دیتی ہیں۔ مثلاً شراب ایسی خراب شے ہے، اگر کوئی شخص سگریٹ اور شراب دونوں کا عادی ہے تو آپ سمجھ لیجیے کہ اس نے اپنی طرف سے صحت برباد کرنے کا انتظام پورا کر لیا ہے، آگے اللہ کی مرضی!

کہیں میں بھی تو سرطان میں مبتلا نہیں؟

سرطان (کینسر) کیوں پیدا ہوتا ہے اور کہیں میں بھی تو سرطان میں مبتلا نہیں ہوں؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو اکثر ذہنوں میں ابھرتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر ان لوگوں میں جن کے عزیز و اقارب اس مرض کا شکار ہو گئے ہوں۔ سرطان دراصل ایک طرح کی بڑھوتری ہے جو جسم کے فطری نظام کے خلاف ہونے لگتی ہے، جسم میں موجود لاکھوں خلیے (سیلز) قدرت کی مقرر کردہ رفتار و انداز سے بڑھتے رہتے ہیں۔ ان میں ٹوٹ پھوٹ بھی ہوتی ہے، مگر جب وہ دوبارہ بنتے ہیں تو اپنی پہلی شکل و صورت ہی اختیار کرتے ہیں۔ ان میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں آتی، لیکن کبھی کبھی ان ننھے منے خلیات کو بھی قدرت کے مقرر کردہ نظام سے بغاوت کی سوجھتی ہے اور کسی حصہ جسم کے خلیات فطرت کے مقرر کردہ نظام کے خلاف بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں، یعنی ان میں انقلاب آ جاتا ہے اور یہی انقلاب دراصل "سرطان" یا کینسر کہلاتا ہے۔

حیاتین الف اور ج

تحقیقات سے پوری طرح یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حیاتین الف اور ج بعض اقسام کے سرطان سے جسم کو نہ صرف محفوظ رکھتے ہیں بلکہ ان کا متواتر استعمال جسم میں سرطان کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کر دیتا ہے۔ ان کی کمی سے غدہ مذی (پراسٹیٹ گلینڈ) عنق الرحم، جلد، مثانہ اور بڑی آنتوں کا سرطان ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

سورج کی شعائیں

سفید رنگت کے لوگ سیاہ فام لوگوں کے مقابلے میں سورج کی شعاعوں کا زیادہ اثر قبول کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سفید رنگت والے لوگوں کی جلد میں ان مادوں کی کمی ہوتی ہے جو سورج کی شعاعوں کو روکتے ہیں۔ گرمیوں میں تیز دھوپ سے بچنا چاہیے۔ اگر کام کی نوعیت اس طرح کی ہو کہ دھوپ میں نکلنا ضروری ہو تو سوتی کپڑے پہننے چاہییں، قمیص کی آستینیں پوری ہوں اور ٹانگیں بھی پوری طرح سے چھپی ہوئی ہوں۔ سر پر تولیہ یا رومال ڈالا جائے۔ آنکھوں کی حفاظت کے لیے دھوپ کا چشمہ لگایا جائے۔

غذا کا بڑا دخل

سرطان کی پیدائش میں غذا کا بڑا دخل ہے۔ تجربات سے پتا چلا ہے کہ چکنائی کا زیادہ استعمال خطرناک ثابت ہوتا ہے، اسی لیے زیادہ فربہ لوگوں میں بعض قسم کے سرطان زیادہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ چناں چہ غذا میں چکنائی کم استعمال کرنی چاہیے۔ خصوصاً بغیر چکنائی کے گوشت، مرغی اور مچھلی منتخب کی جائے، انھیں بھی گھی یا تیل میں تل کر استعمال کرنے کے بجائے بھاپ سے گلا کر یا سینک کر کھانا زیادہ مناسب ہے۔ دودھ بالائی اتار کر استعمال کیا جائے۔ لسی یا مٹھا بہترین غذا ہے۔ کچھ غذائیں ایسی بھی ہیں جو جسم کی حفاظت کرتی ہیں۔ ملی جلی اور متوازن غذا کا استعمال سبزیاں وافر مقدار میں زیرِ استعمال رہنی چاہییں۔ خصوصاً ایسے پھل اور سبزیاں جن میں حیاتین الف اور ج موجود ہوں مثلاً کینو، مالٹا، گریپ فروٹ، آڑو، خربوزہ اور تربوز وغیر، سبزیوں اور ترکاریوں میں پالک، پھول گوبھی، بند گوبھی، گاجر اور شکر قند مفید ہیں۔ ایسی چیزیں بھی زیرِ استعمال رہنی چاہییں جن میں ریشے موجود ہوں، مثلاً چوکر ملا ہوا آٹا، چھلکے والی دالیں، موٹے اناج، مثلاً مکئی، باجرہ، جوار، وہ تمام پھل جو چھلکوں سمیت کھائے جا سکتے ہوں، ان کے چھلکے جدا نہیں کرنے چاہییں، جیسے امرود، سیب، ناشپاتی اور خوبانی، ان پھلوں سے بھی کافی ریشے جسم کو مل جاتے ہیں۔

صنعتی اداروں میں سرطان

بعض صنعتی اداروں میں کام کرنے والے افراد بھی سرطان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مرض کی پیدائش کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ ان صنعتوں میں کیا چیزیں استعمال کی جاتی ہیں اور ان سے ماحول کس قدر آلودہ رہتا ہے۔ صنعتی اداروں میں عام طور پر تین طرح کی چیزیں فضا میں آلودگی پیدا کرتی ہیں۔ کیمیائی مادے، مختلف قسم کی دھاتیں، گرد و غبار اور ایسے کیمیائی مادے براہ راست جلد سے مس ہو کر خطرات پیدا کر دیتے ہیں یا ان سے پیدا ہونے والی گیس نقصان پہنچاتی ہے۔
گرد و غبار، ریشوں کے معاملے میں سیمنٹ اور ایسبسٹوس کی صنعت اور ایسے مکانات و کارخانے خطرناک ہیں جن کی چھتیں ایسبسٹوس کی ہوں۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ صنعتی ماحول میں عموماً تمباکو نوش حضرات ہی سرطان کا شکار ہوتے ہیں، حفاظتی آلات ماسک، دستانے وغیرہ استعمال کرنے والے اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ صنعتی کارکنوں کو ان تدابیر پر عمل کرنا چاہیے۔

سرطان کے بارے میں خدشات

سرطان کے بارے میں یہ خدشات بھی لوگوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں کہ یہ لگنے والی بیماری ہے اور ایک مریض سے دوسرے شخص کو لگ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ خطرناک مرض متعدی نہیں ہے۔ یہ کھانسنے، چھینکنے، جھوٹے برتن کے استعمال یا براہِ راست جسم کے چھونے، کسی طرح بھی ایک سے دوسرے کو نہیں لگ سکتا۔

ایکسریز کی زیادتی

یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ ایکسریز کی زیادتی سرطان پیدا کرتی ہے، اس لیے انتہائی مجبوری کی صورت میں ایکسرے لینا چاہیے۔ مخصوص ہارمون "ایسٹروجن" جو کہ عورتوں میں ایام کی خرابی اور خاندانی منصوبہ بندی کے لیے استعمال کرایا جاتا ہے، رحم میں سرطان کی پیدائش کے امکانات بڑھا دیتا ہے۔ اس کا متواتر یا ضرورت سے زیادہ استعمال خصیۃ الرحم (اوویریز) کے سرطان کا بھی موجب بنتا ہے۔

سرطان پیدا ہونے کے امکانات

کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے بار بار استعمال میں آنے سے سرطان پیدا ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، مگر ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص کو ان چیزوں کی وجہ سے مرض لاحق ہو ہی جائے، ان میں سے کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے بچا جا سکتا ہے، مگر کچھ ایسی بھی ہیں کہ ان سے بچاؤ ممکن نہیں ہے۔ مثال کے طور پر سگریٹ اور شراب سے ہم پرہیز کر سکتے ہیں، یہ ہمارے اختیار میں ہے اور بڑھاپے کی آمد کو ہم نہیں روک سکتے۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے اور بڑھاپے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کے سرطان کی پیدائش کے امکانات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس مرض کے اسباب بھی دو طرح کے ہیں، ایک ایسے جن پر پوری طرح تحقیق ہو چکی ہے اور کچھ اسباب ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ سرطان پیدا کر سکتے ہیں۔

سرطان سے بچاؤ

مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کر کے سرطان سے بڑی حد تک بچا جا سکتا ہے۔

☆ تمباکو پینے اور کھانے کی عادت ترک کر دی جائے۔
☆ سادہ غذائیں استعمال کی جائیں جن میں چکنائی اور حرارے کم ہوں۔ تازہ پھل و سبزیاں، موٹے اناج، دال دلیے زیادہ مقدار میں لیے جائیں۔ روٹی موٹے آٹے کی استعمال کی جائے، جس میں بھوسی بھی شامل ہو۔
☆ شراب تو ویسے بھی اسلام میں حرام ہے، لیکن اگر کوئی غیر مسلم شراب کا عادی ہو تو اسے شراب فوراً چھوڑ دینی چاہیے خاص طور پر اگر وہ سگریٹ بھی پیتا ہو۔
☆ تیز دھوپ سے خود کو بچایا جائے، اگر رنگت صاف ہو تو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔
☆ ایکسرے اس وقت تک نہ کرائیں جب تک معالج مشورہ نہ دے اور ایکسرے لیتے وقت جسم کے غیر متعلقہ حصے کو اچھی طرح ڈھانپ لیا جائے۔
☆ کارخانوں میں کام کرتے وقت حفاظتی تدابیر پر پوری طرح عمل کیا جائے۔
☆ "ایسٹروجن" بغیر معالج کے مشورے کے ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

ہر سرطان لاعلاج نہیں

ماہرین کا خیال ہے کہ کوئی زخم یا چوٹ بھی سرطان میں تبدیل ہو سکتی ہے، مگر اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ بعض اوقات زخم یا چوٹ کا علاج کرنے پر یہ پتا چلا ہے کہ یہ سرطان ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر چوٹ لگنے سے پہلے ہی سرطان پیدا ہو چکا ہو۔
ہر طرح کے سرطان کے لیے یہ کہہ دینا کہ یہ لاعلاج ہے، درست نہیں ہے۔ اب سرطان کے تقریباً پچاس فیصد مریض بالکل صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ شفایابی کا انحصار دو باتوں پر ہے۔ پہلی یہ کہ مرض کس مقام پر ہے اور دوسرے یہ کہ تشخیص ہونے تک مرض کس قدر پھیل گیا ہے، کیوں کہ جب سرطان پھیل کر دوسرے اعضا کو بھی متاثر کر دیتا ہے تو پھر علاج دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا عضو سرطان زدہ ہو جسے آپریشن کر کے جسم سے نکالا نہ جا سکتا ہو، تب بھی دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔ آج کل پوری دنیا میں جڑی بوٹیوں پر بھی تحقیقات ہو رہی ہیں اور سرطان کے علاج کے لیے سینکڑوں بوٹیاں زیرِ تحقیق ہیں۔ اس ضمن میں کچھ پیش رفت بھی ہوئی ہے۔
احتیاط: سرطان کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ان چیزوں سے خود کو بچایا جائے جو مرض پیدا کرتی ہیں یا اس کی پیدائش میں مددگار ہیں۔

تزکیۂ نفس

بنتِ ایوب

اللہ سے محبت ہماری زندگی کی ترجیحات کا عملی تعین کرتی ہے۔ یہ محبت ہمارے دل میں موجود سابقہ تمام محبتوں کو منہدم کرکے نئے سرے سے ترجیحات کو ترتیب دیتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزاری اور ان سے وفا شعاری اولین ترجیح پر جبکہ دنیاوی اغراض آخر پر پڑی ملتی ہیں اور اسی کو نفس کا تزکیہ کہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

"اور جو لوگ ایمان والے ہیں، وہ اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔" (البقرہ: 165)

تزکیۂ نفس سے مراد نفس کو دنیاوی لذتوں اور آلائشوں سے پاک کرنا اور دل میں موجود شر کے فطری غلبہ کو ختم کرنا ہے۔ وہ تمام خواہشات جو ہماری روحانی نشو نما میں رکاوٹ بنتی ہیں، ان کا صفایا نفس کا تزکیہ کہلاتا ہے۔ نفس کے تزکیہ سے انسان کا دل دنیاوی لذتوں سے آزاد ہو کر اللہ کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو جاتا ہے اور وہ دل جس میں دنیا کی محبت باقی نہ رہے، فلاح پا جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى

"بے شک وہ فلاح پا گیا، جس کا تزکیہ ہو گیا۔" (الاعلیٰ: 14)

تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے بغیر دل کی پاکیزگی اور ہمارے نفس کی صفائی نہیں ہوتی۔ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن ہی اللہ کی معرفت اور اللہ کے قرب کی راہنما ہیں۔ تزکیہ نفس ہمارے باطن کی قوت کا نام ہے۔ اس سے اعمال صالحہ میں پیش آنے والی تمام کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں۔ تزکیۂ نفس کو جہاد بالنفس بھی کہتے ہیں۔ اسلام نے نفس سے جنگ کرکے نفس کے تزکیہ یعنی جہاد بالنفس کو جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔ دنیا کی محبت، ریاکاری، نفاق، بغض، کینہ، حسد، غصہ، تکبر اور خود پسندی کے خاتمے کو دل کا تزکیہ کہتے ہیں۔
تزکیہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى

"اور وہ نفس کو ہر بری خواہش سے روکتا ہے۔" (النازعات: 40)

دل کا تزکیہ، دل کی اصلاح کا نام ہے اور دل کی اصلاح کے چار راہنما اصول بیان کیے جاتے ہیں:

1۔ مشارطہ: ہر صبح نفس کے ساتھ شرط لگانا کہ آج گناہ نہیں کریں گے۔
2۔ مراقبہ: دن بھر اپنی نگرانی کرنا کہ کوئی گناہ تو سرزد نہیں ہوا؟
3۔ محاسبہ: دن بھر کا جائزہ لے کر نیکی اور گناہ کا حساب کرنا۔
4۔ مؤاخذہ: نفس کی نافرمانیوں پر اسے سزا دینا اور نیکیوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے اسباب ہیں جن سے بندہ اللہ کی محبت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ دنیا کی تمام رنگینیوں میں رہ کر بھی ہمیں دل کو اللہ کی محبت سے سجانا ہے۔
ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"وہ تزکیۂ نفس جو خانقاہوں اور تنہائی کے گوشوں میں حاصل ہو، کسی کام کا نہیں۔ اصل تزکیۂ نفس تو وہ ہے جو باطل کی قوتوں کے ساتھ کش مکش اور ٹکرانے کے دوران حاصل ہوتا ہے۔"

جب تک ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہر شے سے بڑھ کر محبت نہ ہو تو اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایمان نے ہمارے دل پر کوئی خاص اثر نہیں کیا۔ ہم زبانی کلامی اللہ پر ایمان لے آئے، لیکن دنیا کی لذتوں پر اللہ کو ترجیح نہیں دے سکے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب جان لیں تو اللہ کا ہر حکم بھی محبوب ہو گا۔ اگر شعائرِ اسلام میں ہمیں اللہ کا کوئی بھی حکم ناگوار گزرے، اطاعت کرنے کو دل نہ چاہے تو ہماری اللہ سے محبت سچی نہیں ہے۔ ہماری محبت میں صداقت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں محبوب رکھتے ہیں تو ہمارا بھی حق ہے کہ اللہ کی محبت کو سب سے زیادہ محبوب جانیں۔ لذتِ دنیا اور آلائشات کو اللہ کی محبت کے آگے ہیچ جانیں اور اللہ کی محبت کو دنیاوی اغراض پر کبھی قربان نہ کریں۔ اللہ کی محبت کو دنیا کی تمام محبتوں اور آسائشوں پر فوقیت دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے بہت محبت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم کسی کو ان کے برابر مقام نہ دیں۔ کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں، جبکہ ہمارے دل میں دنیاوی خواہشات کے بت کھڑے ہیں۔ بت صرف مٹی کے مجسموں کا نام ہی نہیں۔ ہم جس بھی دنیاوی شے کو اللہ کے حکم کے سامنے ترجیح دیتے ہیں، یہ دل کے بت خانے میں بت کا روپ دھار لیتی ہے اور ہمیں صرف دل میں بنے اس بت خانے کو مسمار ہی تو کرنا ہے، تاکہ اللہ کی محبت تمام محبتوں پر حاوی آ جائے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ

"کیا پھر تم نے دیکھا ایسے شخص کو جس نے نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟" (الجاثیہ: 23)

اسی کو علامہ اقبال نے یوں بیان فرمایا ہے:

~ جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا

"اور نفس جس نے اس کو درست کر لیا، پھر سمجھ دی اس کو گناہ کی اور اس سے پرہیز گاری کی۔ تحقیق مراد کو پہنچا، جس نے اس کو سنوار لیا اور نامراد ہوا، جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا۔" (الشمس: 10-7)

نفس خواہشات کی جائے پناہ ہے۔ نفس کا تزکیہ ہمارے دل کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرتا ہے۔ اگر اس کا تزکیہ نہ کیا جائے تو نفس بھٹک جاتا ہے اور تزکیہ سے قلب فطرت سلیمہ پر لوٹ آتا ہے، جو بندہ اپنے نفس کو سنوار لیتا ہے۔ وہ خود کو پہچانتے ہوئے اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON

A trusted name in jewellery since 1974

HANDCRAFTED TO perfection!

The Bridal jewellery you can't take your eyes off.

021 35835455,
35835488

S-11, Yousuf Grand Square,
Block 8, Clifton, Karachi

newzaibyjewellers

اعتدال کا گُر

حفصہ محمد فیصل

"دو گجرا کنگن پیک کر دینا بھائی۔" عاصم نے گجرے کی دکان پر بائیک روکتے ہوئے کہا، نگاہوں میں اپنی ایک ماہ بیاہی دلہن ہانیہ کی موہنی سی صورت آ گئی۔

السلام علیکم، امی ! ! !

عاصم عجلت میں ماں کو سلام کرتا لفافہ تھامے کمرے کی طرف بڑھا۔

"ہائے ! شادی کیا ہوئی، اب تو دو گھڑی ماں کے پاس بیٹھنا بھی گوارا نہیں۔" سدرہ بیگم کلس کر رہ گئیں۔

"بھئی نئی نئی دلہن ہے کچھ دن تو ناز نخرے اٹھوائے گی نا!" حمزہ صاحب نے بیگم کو سمجھایا۔

"ہم بھی بیاہ کر آئے تھے، مگر ہمارے ناز نخرے تو آپ نے نا اٹھائے۔" سدرہ بیگم نے شکوہ کیا۔

"وہ زمانہ اور تھا بیگم، یہ نیا زمانہ ہے، بچوں کو یہ روک ٹوک اچھی نہیں لگتی، ویسے بھی ہمارا عاصم بڑا فرماں بردار ہے، ورنہ آج کل کے بچے تو شادی کے بعد فوراً سے پیشتر الگ ہونے کی باتیں کرنے لگتے ہیں، وہ دیکھا ہے نا مرزا صاحب کے سہیل کو، کیسے چھوڑ گیا بوڑھے ماں باپ کو۔"

"نام نہ لیں سہیل کا، کہاں میرا سر جھکا کر بات کرنے والا بیٹا اور کہاں وہ نا ہنجار سہیل۔" سدرہ بیگم نے تصور میں ہی بیٹے کی بلائیں لے لیں۔

"کس کی باتیں ہو رہی ہیں امی جان؟" عاصم نے فریش ہو کر کمرے سے باہر آتے ہوئے پوچھا۔

"چھوڑو بھی، یہ بتاؤ، ماں کے پاس آنے کی اجازت مل گئی؟" سدرہ بیگم نے پس پردہ ہانیہ پر چوٹ کی۔

"امی جان ! آپ کے پاس آنے کے لیے بھلا کس کی اجازت کی ضرورت ہے۔" عاصم نے ماں کے ہاتھ پر بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

سدرہ بیگم بیٹے کے عمل سے نہال ہو گئیں، ہانیہ کو کمرے سے باہر آتے دیکھ کر ایک فاتحانہ چمک سدرہ بیگم کے چہرے پر ابھری۔

حمزہ صاحب کا گھرانہ ایک متمول گھرانہ تھا۔ ان کے دو ہی بچے عاصم اور نمرہ تھے۔ نمرہ کے فرض سے وہ دو سال پہلے سبک دوش ہو چکے تھے، اب ایک ماہ پہلے عاصم کی بھی ایک اچھے گھرانے میں شادی کی تھی۔ سدرہ بیگم بیٹے کے معاملے میں غاصبانہ رویہ رکھتی تھیں، بس وہ چاہتی تھیں ان کا بیٹا ان کے گھٹنے سے لگا رہے۔ شادی سے پہلے تک تو وہ اپنے مقصد میں کام یاب تھیں، لیکن اب عاصم کے رویے میں تھوڑی تبدیلی بھی انھیں ناگوار گزر رہی تھی۔ نہ جانے ایسی مائیں پھر بیٹوں کی شادیاں کیوں کرتی ہیں جو اپنے بیٹے کو بانٹ نہیں سکتیں۔

شام ڈھل رہی تھی۔ سدرہ بیگم نے ہانیہ کو مستقل کام میں لگا رکھا تھا۔ اب تو ہانیہ کی نگاہ بار بار گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھی۔ عاصم کے آنے کا وقت ہو گیا تھا اور تیار ہونا تو دور کی بات اس نے اب تک منہ ہاتھ تک نہیں دھویا تھا۔

"امی جان ! میں فریش ہو جاؤں، پھر یہ کام مکمل کر لوں گی۔" ہانیہ لجاجت سے بولی۔

"ہائے ہائے کل کی لڑکی ! میرے سامنے زبان چلاتی ہے۔ اب یہ دن بھی دیکھنا تھا۔" سدرہ بیگم عاصم کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر واویلا کرنے لگیں۔

"کیا ہوا امی جان؟"

عاصم پریشانی سے امی کی طرف بڑھا۔

"یہ بات اپنی چہیتی سے پوچھو، جس نے مجھے باتیں سنائی ہیں۔"

"امی جان ! میں تو کام کر رہی ہوں، میں نے تو کچھ نہیں کہا آپ سے۔" ہانیہ جھجکتے ہوئے بولی۔

"ہاں، ہاں بھئی میں نے کہا ہے، یہ تو دودھ کی دھلی ہے۔" سدرہ بیگم چہرے پر چادر رکھتے ہوئے دکھ سے بولیں۔

"ہانیہ ! معافی مانگو امی جان سے۔" عاصم کا کرخت لہجہ ایک لمحے کے لیے ہانیہ کو دہلا گیا۔

سدرہ بیگم کی چال کام یاب ہو گئی تھی۔

ہانیہ کو جھکا کر وہ سرشاری محسوس کر رہی تھیں۔ حسد کی آگ کو کچھ ٹھنڈ ملی تھی۔

آج پہلی بار ہانیہ اور عاصم کے درمیان ناراضی والا ماحول بنا تھا اور پھر آہستہ آہستہ یہ روز کا معمول بن گیا، لیکن یہ سب فتنہ گیری کے باوجود بھی سدرہ بیگم کی حسد کی آگ ٹھنڈی ہونے میں نہ آ رہی تھی۔ وہ آئے روز کوئی نا کوئی تماشہ لگائے رکھتیں، چند ماہ میں ہی عاصم کا ہانیہ سے دل کھٹا ہونے لگا تھا۔

"کیا ہوا عاصم ! آج آفس میں رات گزارنے کا ارادہ ہے کیا؟" شایان نے عاصم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بس تھوڑا کام باقی ہے ختم کر لوں، ویسے بھی گھر پر کون راہ تکتا ہو گا میری؟" عاصم نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو پیارے؟ بھابھی ہیں، اماں، ابا ہیں، ایسا کیوں کہا تم نے؟" شایان تڑپ کر بولا۔

"ہوں۔۔۔ بیوی اور امی تو شکایات کے دفتر کھولے بیٹھی ہوتی ہیں، ابا بے چارے ستم کی صورت بنے کندھے اچکا دیتے ہیں۔ بیوی کی بات سنو تو اماں شرارے برساتی ہیں اور اگر اماں کی سن لی تو بیوی روٹھ جاتی ہے، اس سے تو بہتر ہے بندہ گھر ہی نہ جائے اور اگر جائے تو دیر سے جائے، تاکہ سب سو چکے ہوں۔" عاصم کو تو صرف ہوا لگنے کی دیر تھی، دل کے سارے پھپھولے کھول ڈالے۔

"ہمم ! دیکھو عاصم، ہم مردوں کو رب تعالی نے عورتوں سے زیادہ شعور دیا ہے، ایسے ہی ہم حاکم نہیں بنا دیے گئے، تمہیں آنٹی اور بھابھی کے رشتے میں خود توازن

بقیہ صفحہ 23 پر

وَالَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

اُمِّ تُسیبہ

ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ گھر کا جو بچہ دنیاوی پڑھائی میں سب سے کم زور ہوتا ہے، اسے بے کار سمجھ کر مدرسے میں داخل کروادیا جاتا ہے، یہی آمنہ کے ساتھ ہوا۔ میٹرک کے پرچوں میں فیل ہونے کے بعد امی جان نے آمنہ کو مدرسے میں داخل کروانے کا فیصلہ کیا، جب کہ مدرسے میں ایک سال پڑھنے کے بعد ہی اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی اور آج اسے اندازہ ہوا کہ

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
ایک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

آج تنہائی کے باوجود آمنہ کا دل پُر سکون تھا۔ گھر کے سارے افراد ماموں زاد بہن کی رسم مہندی میں شرکت کرنے گئے ہوئے تھے۔ جہاں موویٰ، تصاویر اور مرد وزن کے اختلاط سمیت دیگر خرافات کا ہونا متوقع تھا۔ صبح جب اس نے امی کے سامنے شادی میں شرکت سے معذرت کی تو گویا طوفان ہی آگیا۔ اس نے امی کو منانے کی لاکھ کوششیں کیں، مگر امی کا کہنا تھا کہ "میری اکلوتی بھتیجی کی شادی ہے، تمہارا جانا ضروری ہے اور پھر دنیا والے کیا کہیں گے کہ بیٹی کو پردے کی بوبو بنادیا ہے۔ تم اس طرح گھر میں بند ہو کر رہو گی تو تمہارا رشتہ کیسے ہوگا اور کون پسند کرے گا تمہیں؟"

"مگر جوڑے بنانے والی ذات تو اللہ پاک کی ہے۔" آمنہ نے دل میں سوچا تھا۔

بہر حال! گھر والوں کی ناراضی مول لے کر اس نے پکا ارادہ کرلیا تھا کہ وہ ایسی محفل میں ہر گز شرکت نہیں کرے گی، جہاں اللہ پاک کے احکام کی دھجیاں اڑائی جائیں۔ بے شک امی کی ناراضی کی خلش اور خاندان بھر کی ملامت اپنی جگہ مگر آج ہی تو اس نے مدرسے میں حدیث پڑھی تھی، جس کا مفہوم ہے کہ 'مخلوق کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی جائز نہیں'

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

"السلام علیکم، آیئے خالہ جان! بڑے دنوں بعد آنا ہوا۔"

زینب نے ثریا خالہ کا خوشدلی سے استقبال کیا۔

"بس بیٹا کیا بتاؤں، گھر سے نکلنا ہی نہیں ہوتا۔ دنیا جہاں کے کام مجھ اکیلی جان کے سر پر ہیں۔ بہو رانی کو اپنے کپڑوں اور فیشن سے فرصت ملے تو کچھ نظر آئے۔ ایک میری بیٹیاں ہیں، پورا پورا سسرال سنبھالا ہوا ہے اور ایک میری پھوہڑ بہو ہے، اسے تو میرے معصوم بیٹے پر رعب جمانے کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔" خالہ آتے ہی شروع ہو گئیں۔

"ارے خالہ اندر تو آیئے، بیٹھیں میں آپ کے لیے پانی لے کر آتی ہوں۔"

زینب نے بات کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔

مگر پانی پی لینے کے بعد بھی خالہ نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا اور تان بہو پر آکے ہی ٹوٹی۔ زینب نے کئی بار بات بدلنے کی کوشش کی، مگر خالہ ذکرِ بہو سے آگے ہوئیں نہ پیچھے۔ آخر کار زینب نے نرمی سے کہا: "خالہ جی! کوئی انسان بھی سو فیصد برائیوں سے پاک نہیں ہوتا، آپ کی بہو میں دس برائیاں ہیں تو کچھ اچھائیاں بھی ہوں گی۔ ویسے بھی آپ خود اتنے چاہو اور مان سے بیاہ کر لائیں تھیں بہو، خالہ آپ اسے پیار و محبت سے سمجھائیں گی تو اس کا اثر زیادہ ہوگا، میرے یا کسی اور کے سامنے تذکرہ کرنے کا کیا فائدہ؟" زینب نے مسکراتے ہوئے بات مکمل کی۔

"بس بس، میں چلتی ہوں ملانی صاحبہ! میں اگر دو گھڑی دل ہلکا کرنے آجاؤں تو تمہیں ناگوار گزرتا ہے ناں۔" خالہ خفگی سے بولیں۔

زینب کچھ بولنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہی تھی کہ خالہ نے ہاتھ سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود دروازے کی طرف بڑھ گئیں اور زینب حیران و پریشان کھڑی انھیں تأسف سے دیکھتی رہ گئی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

"یار فرحان! یہ سامنے جو مولوی کھڑا ہے، کہیں دیکھا دیکھا سا لگتا ہے۔" بلال نے سامنے کھڑے ہوئے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے تم نے پہچانا نہیں؟ یہ اپنا حسن ہے، بے چارہ تبلیغیوں میں پھنس گیا ہے۔ چالیس دن کے لیے جماعت کے ساتھ گیا ہوا تھا، آیا ہے تو حلیہ ہی بدلا ہوا ہے۔" فرحان نے افسوس سے سر ہلایا۔

"آؤ ذرا خیر خبر لیں ملّا کی۔" بلال نے آنکھ مار کر کہا۔

"یار حسن! کیسے ہو؟ پہچانے ہی نہیں جا رہے۔" بلال نے شرارت سے پوچھا۔

"السلام علیکم، الحمد للہ! میں ٹھیک ہوں، تم دونوں کیسے ہو؟" حسن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہم تو بالکل فٹ ہیں، پر تم ٹھیک نہیں لگ رہے، کیا حلیہ بنالیا ہے یار! بیمار شمار تو نہیں ہو؟"

فرحان کے لہجے میں حقارت واضح تھی۔

"نہیں دوستو میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔" حسن بولا۔

"اچھا!! پھر یقیناً خود کش جیکٹ پہن کر بھرے بازار میں کھڑے ہوگے، چل یار فرحان، اس کا کیا بھروسہ کب اڑالے خود کو۔"

یہ کہہ کر بلال نے ایک قہقہہ لگایا اور فرحان کے گلے میں بازو ڈال کر آگے چل دیا۔

"نہ جانے ابھی کتنے لوگوں کے مزید سوالوں کا نشانہ بننا پڑے گا۔"

حسن نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سوچا اور مسجد کی طرف بڑھ گیا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

"بابا سائیں کے دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ تم ضرور جاؤ، دیکھو ان پانچ سالوں علاج میں کروا کر دیکھ لیا، اب میری بات بھی مان لو۔"

ہر بار کی طرح آج بھی حمنہ پر زور ڈالا جا رہا تھا کہ وہ مزار پر جائے۔
"مگر آصفہ باجی مجھے وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ بزرگ تو خود اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں جو سب کو عطا کرنے والی ذات ہے، وہ صرف میرے رب کی ہے۔"
کتنے عرصے سے ٹال مٹول کرنے کے بعد آج حمنہ اپنی نند آصفہ کے سامنے بول ہی پڑی۔
"اللہ نے ہی انھیں کرامات عطا کی ہوئی ہیں۔ بابا سائیں کے در پر جاؤ چادر چڑھاؤ، منت مانگو، وہاں جا کر سجدہ کرو، دیکھنا وہ فوراً تمہاری سونی گود بھر دیں گے۔" آصفہ نے تیزی سے کہا۔
"استغفر اللہ۔۔۔ آصفہ باجی! میں کیوں کسی مخلوق کے در پر جاؤں جب میرا رب میری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ میرے حق میں بہتر ہوا تو مجھے مل جائے گی اولاد، میں رب سے مایوس نہیں۔"
حمنہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔
"توبہ توبہ۔۔۔ ارے مجھے گناہ گار کرتی ہو۔ اللہ ہی سب کو دیتا ہے اور اللہ نے ہی بابا سائیں کے در پر تاثیر رکھی ہے۔"
آصفہ اپنے موقف پر قائم تھی۔
"باجی اگر کسی مقدس ہستی کے در سے مانگنے کی اجازت ہوتی تو اللہ پاک اپنے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر ان سے مانگنے کا حکم دیتے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔"
حمنہ نے بات مکمل کی اور باورچی خانے کا رخ کیا۔ نتیجتاً آصفہ ناراض ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

گذشتہ دو ماہ سے شیطان مستقل انھیں تاویلیں دینے اور مستقبل میں پیش آنے والے حالات کے اندیشوں سے ڈگمگانے کی بھرپور کوششیں کرتا رہا۔ بالآخر جیت حق کی ہوئی اور آج جہانزیب احمد اپنا استعفیٰ تحریر کرنے بیٹھ ہی گئے۔ قلم تھامتے ہی چار معصوم بچوں اور بیوی کی صورت سمیت آسائشوں سے بھرپور گزرتی عیش و آرام والی زندگی نظروں کے سامنے گھومنے لگی۔ ایک لمحے کے لیے شیطان نے فیصلے پر نظرِ ثانی کا وسوسہ دل میں ڈالا، مگر اگلے ہی لمحے دو ماہ قبل مولانا صاحب سے سنے گئے۔ قرآن کے الفاظ گویا سامنے آ کھڑے ہوئے، جس میں سود خور کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ جنگ کا ذکر ہے۔
"نہیں نہیں میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ میری بیوی بچے جہنم کا ایندھن بنیں۔ میں دنیا کی ان وقتی آسائشوں کے بدلے آخرت کا دائمی عذاب نہیں خریدوں گا، ان شاء اللہ!"
مطمئن ہو کر انھوں نے استعفے پر دستخط کر دیے۔ اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس کر کے پلٹے تو سامنے بیوی کو مسکراتا ہوا پایا۔
"آپ پریشان نہ ہوں اور نیکی کی اس راہ پر خود کو تنہا نہ سمجھیں، میں آپ کے ساتھ ہوں۔ کمپنی کی طرف سے ملے گھر، گاڑی اور آسائشات کے ہم عادی تو ہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ اللہ پاک کی مدد شاملِ حال رہی تو یہ وقت بھی آسانی سے گزر جائے گا۔ ہم آپ کو ورثے میں ملے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے اور اللہ پاک آپ کو ضرور اس نوکری کا نعم البدل عطا کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ پاک آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔"
شریکِ حیات کی طرف سے دی گئی تسلی سن کر وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

ہمارے معاشرے میں ایسے بے شمار آزمائشوں کی بھٹی سے کندن بنے چمکتے ستارے موجود ہیں، جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔ لوگوں کے بقول 'بورنگ' زندگی گزار رہے ہیں۔ سب کو تنہا تنہا اور اجنبی اجنبی لگتے ہیں اور ان اجنبیوں کے لیے ہی حدیث میں "فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآ" فرما کر خوش خبری سنائی گئی ہے۔ حقیقت میں وہ اللہ کی رسی کو تھام کر ایسی پُرسکون اور مطمئن زندگی جی رہے ہوتے ہیں، جس کا تصور بھی محال ہے، کیوں کہ سکون تو اللہ ہی کی یاد سے وابستہ ہے۔ درحقیقت ایسے ہی لوگ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ عملی تفسیر ہیں۔

بقیہ

اعتدال کا گُر

پیدا کرنا ہوگا، اگر وقت پر یہ نہ کیا تو آہستہ آہستہ گھر میدان جنگ بن جائے گا، جس کا اثر آنے والی نسل پر بھی پڑے گا۔" شایان نے پتے کی بات بتائی۔
"مگر میں توازن کیسے پیدا کروں دونوں کے درمیان؟" عاصم نے کلس کر کہا۔
"دیکھو، پہلے تو آنٹی کی نظر سے دیکھنے کی عینک اتار پھینکو اور دونوں جانب کی باتوں کا تحمل سے تجزیہ کیا کرو، تاکہ زیادتی نہ ہو، باقی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرو، خصوصاً آنٹی کی، کیوں کہ وہ عمر کے اس حصے میں جہاں اپنی لاڈ سے پالی ہوئی چیز کسی کے سپرد کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور تم تو ان کے چہیتے بیٹے ہو، عموماً ایسا رویہ اکلوتے بیٹے کی مائیں زیادہ اختیار کرتی ہیں، پہلے بیٹے کے سہرے کے پھول دیکھنے کے لیے اتاولی ہوئی جاتی ہیں، مگر جب بیٹے کی شریکِ حیات سے بیٹے کو بانٹنا پڑتا ہے تو پتّا پانی ہونے لگتا ہے اور پھر ان کے دل میں اسی چاند سی بہو کے خلاف حسد پیدا ہونے لگتا ہے اور وہ نت نئی باتیں گھڑ کر بیٹے کا دل اس بے چاری سے متنفر کرنے کی کوشش کرنے لگتی ہیں، بیٹا بھی چوں کہ ماں پر اندھا اعتبار کرتا ہے، اس لیے اس بے چاری کو ماں کی ہر بات مان کر جھڑکنا اور ڈپٹنا اپنا شیوا بناتا جاتا ہے، پھر وہ بے چاری جو اپنا گھر بار سب چھوڑ کر جس انسان کے لیے اس گھر میں آئی ہوتی ہے، وہی اس کی عزتِ نفس مجروح کرتا ہے تو وہ دکھی ہو کر اس سے ناراض نہ ہو تو کیا کرے؟"
عاصم شایان کی باتیں انہماک سے سن رہا تھا، جس میں اسے اپنا آپ صاف نظر آ رہا تھا۔
شایان کے چپ ہونے پر وہ چونک سا گیا۔
"کیا سمجھے دوست؟" شایان نے مسکرا کر پوچھا۔
"ہمم کچھ کچھ سمجھ آئی؟"
کیا تم نے اس مضمون میں پی ایچ ڈی کیا ہے؟ عاصم نے خوش گواریت سے کہا۔
شایان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "پی ایچ ڈی تو نہیں کیا، لیکن تجربہ بہت ہے پیارے!"
"اب میں نے تو تمہیں سب کچھ کھول کر بتا دیا۔ آگے کیا کرنا ہے؟
اب یہ تم پر منحصر ہے، اپنی خوشیاں ڈھونڈتے ہو یا انہی حالات میں سب کو پریشان رکھتے ہو؟"
"سمجھ گیا..." عاصم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
اب عاصم جلدی جلدی اپنا بیگ سمیٹ کر گھر جانے کی تیاری کرنے لگا، کیوں کہ راستے سے ہانیہ کے لیے گجرے اور امی جان کی پسندیدہ جلیبیاں بھی لینی تھیں۔

◆◆◆

"آ گیا عاصم! ہائے آج تو تھک ہی گئی تیری ماں!"
ارے امی جان، پیاری امی جان آپ کی تھکن کے پیشِ نظر ہی یہ گرم گرم جلیبیاں لایا ہوں، یہ لیجیے، میں ابھی ہانیہ کو پلیٹ لانے کا کہتا ہوں۔
"ارے، سنو تو۔۔۔ سدرہ بیگم پکارتی رہ گئیں جب کہ حمزہ صاحب بیٹے کی سمجھ داری دیکھ کر پرسکون ہو گئے تھے۔"
اب عاصم کمرے کی طرف بڑھا، ہانیہ کو گجرے پہنائے، ہانیہ کی آسودہ مسکراہٹ وصول کی اور پھر جلیبیوں کے لیے پلیٹ لانے کا کہہ کر لان میں آ گیا۔
سدرہ بیگم، عاصم اور ہانیہ کو ساتھ آتا دیکھ کر کلس کر رہ گئیں، مگر بیٹے کے سامنے کچھ پردہ بھی تو رکھنا تھا۔
مگر اب عاصم بھی سب سمجھ چکا تھا، بیوی اور ماں کے درمیان اعتدال رکھنے کا گر جو سیکھ لیا تھا۔

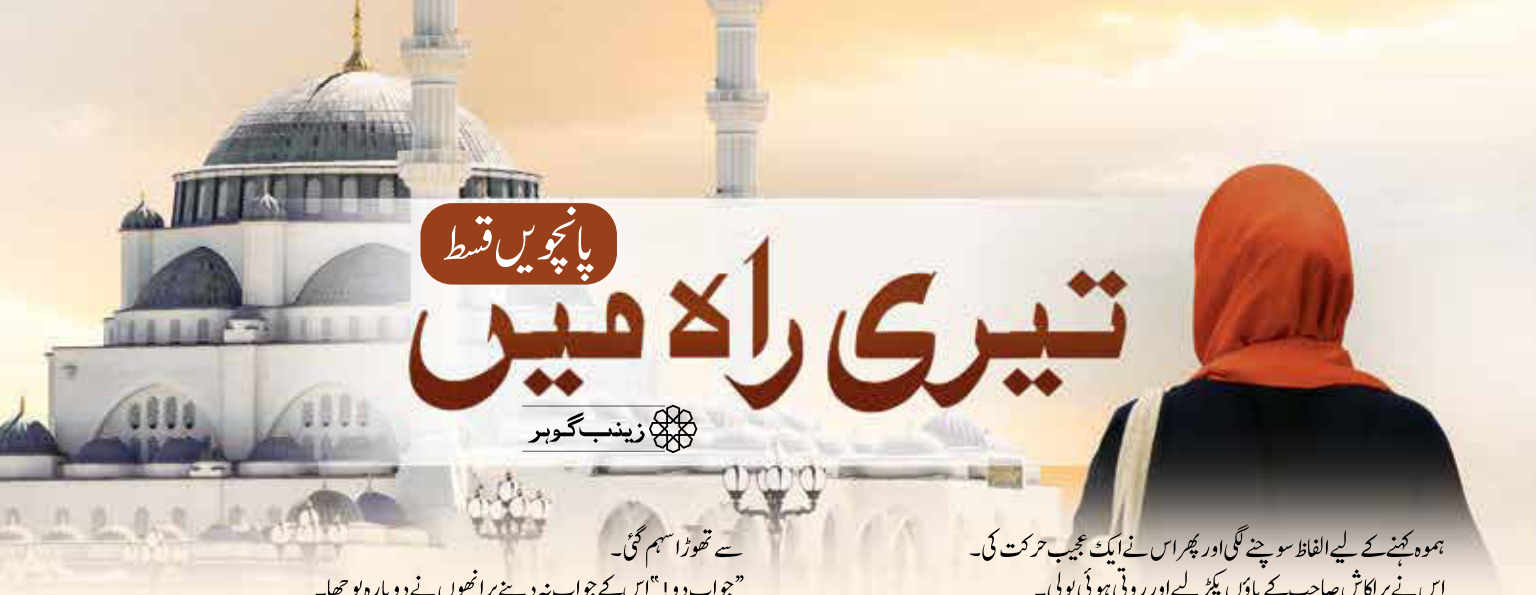

پانچویں قسط

تیری راہ میں

زینب گوہر

ہموہ کہنے کے لیے الفاظ سوچنے لگی اور پھر اس نے ایک عجیب حرکت کی۔
اس نے پرآکاش صاحب کے پاؤں پکڑ لیے اور روتی ہوئی بولی۔
"مجھے معاف کر دیں پاپا! اس طرح مجھے سزا نہ دیں۔ میں کچھ غلط نہیں کروں گی، آپ مجھے واپس بھیج دیں۔" پرآکاش صاحب کو اس کے آنسو پگھلانے لگے۔
"میں تم پر بھروسا نہیں کر پا رہا۔" وہ کم زور لہجے میں بولے اور اس کو خود سے دور کیا۔
"مجھے معاف کر دیں۔" اس بار اس نے ہاتھ جوڑ لیے۔
ایک اور جذباتی ضرب لگی اور وہ پگھل گئے۔
"یاد رکھنا، میرے مان، میرے بھروسے کو مت توڑنا۔"
اسے اپنے ساتھ کراچی لے جاتے ہوئے وہ بولے۔ آکاش مستقل منہ پھلا کر بیٹھا تھا، اسے اس لڑکی پر بالکل بھروسا نہ تھا۔ اس عرصے میں کئی بار وہ اس کو جان سے مارنے آیا تھا، مگر پاپا سے کیے شون (وعدے) اس کے پیروں کی زنجیر بن گئے تھے۔ اس کے ہاتھ روک دیے تھے اس کام سے۔ اس نے جانے سے پہلے بھی باپ کو چوکنا کرنا چاہا تھا۔
"وہ جھوٹ بول رہی ہے! وہ ہمارا منہ کالا کرے گی۔ مار کر یہیں دفنا دیں اس کو یا کسی سے شادی کر دیں، دفع کریں۔" وہ نفرت سے بولا۔ ان کے ہاں مسلمان ہونے والی لڑکیوں کے ساتھ یہی کیا جاتا تھا۔ "آکاش!" وہ کڑے لہجے میں بولے۔
"آپ دھوکا کھا رہے ہیں، بات کو سمجھیں۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ وہ باپ کو قائل کرنا چاہتا تھا۔
"مجھے بھی پتا ہے وہ ناٹک کر رہی ہے، باپ ہوں اس کا، لیکن میں پھر بھی اسے ایک اور موقع دینا چاہتا ہوں اپنی غلطی سدھارنے کا، یہ اس کے لیے آخری موقع ہوگا۔"
"اچھا۔" وہ کچھ مطمئن ہوا۔
"لیکن اگر وہ نہیں سدھرتی تو آگے کیا کرنا ہے کچھ سوچا ہے؟" اس کا لہجہ ٹٹولنے والا تھا۔
"ہاں۔۔ انڈیا سے کچھ رشتے دار آئے ہوئے ہیں، ان کے ساتھ اس کو روانہ کر دوں گا، لیکن آکاش دھیرج رکھنا اس بات کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔"
گاڑی کراچی کی طرف رواں دواں تھی۔ سب فریق اپنے حساب کتاب میں مشغول تھے، لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ انسان اپنی پلاننگ کرتا ہے، لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

◆◆◆

اسے لگا تھا وہ صدیوں بعد اپنے گھر لوٹی ہے۔ چہرے وہی تھے، مگر سب اس کے لیے اجنبی ہو گئے تھے۔ ماں بہنیں ہر وقت سمجھاتی رہتیں۔ حیدرآباد بھی نہیں جانے دیا جا رہا تھا، چھوٹے بھائی نے بھاگ دوڑ کر کراچی ہی ٹرانسفر کرا دیا۔ میڈیکل کے چند ماہ باقی تھے۔ اس کا دیرینہ خواب پورا ہونے والا تھا۔ اب جب سب کھل گیا تھا تو وہ تھوڑی نڈر بھی ہو گئی تھی۔ اسے بہت سے لوگوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔
"یہ کیا کر رہی ہو؟"
وہ نماز پڑھنے لگی تو ایک دم ماں اس کے کمرے میں آ گئیں۔ اس نے نگاہ چرا لی اور دوپٹا اوڑھنے لگی۔ ماں غصے سے گھورتیں کمرے سے نکل گئیں۔
رات کو باپ کے سامنے اس کی حاضری ہوئی۔
"تم باز نہیں آئی اپنی حرکتوں سے، کیا چاہتی ہو پھر میں تمہیں گاؤں چھوڑ آؤں۔" وہ ان کی بات سے تھوڑا سہم گئی۔
"جواب دو!" اس کے جواب نہ دینے پر انھوں نے دوبارہ پوچھا۔
"آپ کو یہ سب کر کے کیا ملے گا پاپا! آپ لوگ تھوڑا تعاون کریں تو میں یہاں سکون سے رہ سکتی ہوں۔" وہ ناصحانہ انداز میں بولی۔
"ہرگز ہم سے کسی تعاون کی امید نہ رکھو لڑکی!" وہ آکاش کے سے انداز میں بولے۔
وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اگلے چند ایام اس کے لیے مزید صبر آزما تھے۔ وہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارتی، گھر والے اسے نماز پڑھنے نہیں دے رہے تھے۔
اس نے رات کو اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے ایک سنگین فیصلہ کیا۔

◆◆◆

اور پھر شیلا نے بہت خاموشی سے گھر چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہانے سے گھر سے نکل کر اپنی ایک دوست کے گھر آ گئی، جس نے اسے مدد کی یقین دہانی کرائی تھی۔
"شیلا!" عنایہ نے دروازہ کھول کر بے اختیار گلے لگایا۔ عنایہ امریکن نیشنل تھی اور کراچی میں پڑھائی کی غرض سے رہ رہی تھی۔ اس کے پاپا بھی مال دار آدمی تھے۔ ان کا یہاں بھی شاندار گھر تھا، جس میں عنایہ رہ رہی تھی۔
"عنایہ کے کمرے میں آ کر اس نے خود کو کہتے سنا۔ شیلا کا یہ ہنگامی فیصلہ تھا۔
"یار تمہیں اپنے والدین سے بات کرنی چاہیے، وہ ضرور سمجھیں گے، آئی تھنک یو شڈ گو بیک! (میرے خیال میں تمہیں گھر واپس چلے جانا چاہیے)
وہ امریکی لڑکی اس کے گھر والوں کی شدّت پسندی ابھی بھی نہیں سمجھ پائی تھی۔
"وہ میری بات کبھی نہیں سمجھیں گے۔" اس نے دکھی دل سے جواب دیا۔
عنایہ نے مزید اس موضوع پر بات نہیں کی، اس کو کھانا کھلا کر آرام کرنے کا کہا۔
نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، لیکن وہ پھر بھی بستر پر لیٹی رہی۔ یہ سب کرنا اتنا آسان بھی نہ تھا، اس کی ذہنی رو بار بار پاپا ماما کی طرف جا رہی تھی۔
شام میں عنایہ کے پاس شیلا کے بھائی کا دھمکی آمیز فون آیا،
"اگر شیلا تمہارے پاس ہے تو بتا دو، ورنہ تمہارے گھر سے اسے نکالنا میرے لیے مشکل نہیں۔"
وہ یقیناً شیلا کی تمام دوستوں کو فون کر رہے تھے۔
عنایہ نے صفائی سے تردید کی، اپنے تیکھے امریکی لہجے میں اس کو لاجواب کر دیا، لیکن فون بند ہوتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گئی، اس کے پاپا ماما یہاں نہیں تھے۔ وہ اپنی ایک خالہ کے ساتھ یہاں رہتی تھی۔ عنایہ نے فون پر اپنے پاپا کو ساری صورتِ حال سمجھائی، انھوں نے بھی شیلا کو ایک مرتبہ گھر لوٹنے کا مشورہ دیا۔ "دیکھو شیلا! وہ لوگ بہت سورس والے ہیں، بات کو سمجھو، اگر تم پکڑی گئی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ سختی کریں گے، تم ان سے بات کرو۔" وہ شیلا کو سمجھاتی رہی تھی۔
"میں کل تمہارا گھر چھوڑ دوں گی، تم فکر نہ کرو، مگر میرے بھائی کو میرے بارے میں نہ بتانا۔"
بغیر کسی پلان کے شیلا بولی۔ مستقبل کی سوچیں اسے ہراساں کر رہی تھیں میں کہاں جاؤں گی۔
عنایہ نے اسے اس بات پر ڈانٹا اور سکون سے یہاں رہنے کی اجازت دی۔
اس نے یہاں آتے ہی آنٹی اور انکل کو (دینی گھرانے کے سربراہ) بھی اپنی سنگین اقدام کی اطلاع دے دی تھی۔ اسے ان کے ردِّ عمل کا انتظار تھا۔ میں نے گھر چھوڑ دیا ہے۔"

آخرت کا ویٹنگ روم

آسیہ عمران

اسے اچانک ایک خیال آیا اور وہ ڈھلتی دوپہر گھر سے نکلا۔ منزل دور نہ تھی۔ دس منٹ کا فاصلہ تھا۔ یہ ایک قبرستان تھا۔ شہر خاموشاں کی دل چیر دینے والی خاموشی اور اس کی سوچیں۔ قبریں اکثر پکی اور کچھ کچی تھیں، کچھ شکستہ حال کہ اندر سے سفید کفن تک جھلکتے نظر آئے۔ ایک قبر کی سلیب آدھی ٹوٹ کر نیچے گر چکی تھی۔ اندر ٹوٹی پھوٹی ہڈیاں تھیں۔ کفن تو جیسے گل سڑ گیا ہو۔ ایک قبر بالکل تازہ تھی، جیسے آج ہی آمد ہوئی ہو۔ آگے بھائی اور اس سے آگے والد کی قبر۔ اس پہ بے چینی طاری تھی۔ پہلے اس نے بھائی کو آواز دی، بتاؤ کیسی ہے یہاں کی زندگی؟ پھر ابو کی منتیں کیں، آپ ہی بتا دیں۔ کیا کام آیا یہاں۔ ہر طرف بس ایک ہی چپ۔

ایسے میں اس کا تصور روشن ہوا۔ نبی ﷺ ایک قبر کے پاس بیٹھے ہیں، آنسوؤں سے مٹی گیلی ہو گئی ہے۔ ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہے۔ قبر کی طرف اشارہ کرتے فرماتے ہیں: اس جیسی چیز یعنی قبر کے لیے تیاری کرو، اس میں جانے سے پہلے پہلے!!! ایک نیا تصور ابھرا آپ ﷺ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک ہیں۔ قبر کے پاس بیٹھتے اور فرماتے ہیں:

قبر ہر دن باآواز بلند کہتی ہے: "اے اولادِ آدم تو مجھے کیوں بھول گیا۔ تجھے معلوم نہیں میں تنہائی کا گھر، غربت کا گھر، وحشت کا گھر، کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں، میں بہت تنگ ہوں، مگر اللہ جس کے لیے کشادگی کا حکم فرمائیں۔"

پھر فرمایا: "اے قبر! تو جنت کا چمن ہے یا پھر آگ کا تنور۔"

پھر اسے قبر کے پرچے کے بارے میں بھی بتایا جا رہا تھا، تین سوال ہوں گے۔

* تیرا رب کون ہے؟
* تیرا نبی کون ہے؟
* تیرا دین کون سا ہے؟

جس نے زندگی کا ہر قدم اپنے رب کی فرماں برداری اور اطاعتِ نبی ﷺ میں گزارا ہوگا، وہ اس کا جواب دے پائے گا اور قبر اس کے لیے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دی جائے گی۔ اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھول دی جائے گی اور وہ آرام و سکون سے سو جائے گا۔

وہ سوچنے لگا: قبر آخرت کا ویٹنگ روم ہے، سفر آخرت کا پہلا مرحلہ!! یہ اچھا تو سب اچھا ہی ہوگا، ان شاء اللہ، اسے بہت سی احادیث یاد آ رہی تھیں کہ یہاں آ کر کیا کام آئے گا۔

* عقیدہ توحید پر زندگی بسر کرنے والا یہاں آسانی کی بنیاد رکھنے والا ہے۔
* اللہ کی راہ میں جان دینے والا اور اسلامی سرحدوں کی نگرانی کرنے والا اس منزل میں سرخرو ہوگا۔
* قبر میں عذاب کا فرشتہ جب سر کی طرف سے آئے گا۔ نماز اسے روکے گی، پاؤں سے آئے گا تو روزہ دائیں، بائیں سے آئے گا تو دیگر نیکیاں اسے روکیں گی اور قبر میں روشنی تو تہجد ہی سے ہے۔
* تلاوتِ قرآن، خاص طور پر سورۂ ملک قبر کی سختی سے بچائے گی۔
* قبر گناہ گار کے لیے تنگ ہو جائے گی کہ پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی۔ صدقہ، خیرات، صلہ رحمی، صبر و شکر، یہاں آسانیوں کا سبب ہوں گی۔
* نیک اولاد کی نیکیاں اور دعائے مغفرت کا یہاں میت کو انتظار رہے گا۔

انہی سوچوں کے دوران میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ ایک نئی زندگی کی شروعات کا عہد کیے آنسوؤں کی برسات میں اس نے واپسی کی راہ لی۔

آنٹی کا گھرانا بغیر اپنا نام لائے انکل کے ساتھ مل کر اس کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ انھوں نے عدالت کی مدد لے کر اس کو محفوظ کر دیا تھا۔ اب اس کے گھر والے اس پر زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بالغ تھی اور قانون کے مطابق، اپنی منشا کے مطابق اپنی مرضی کا دین اختیار کر سکتی تھی، لیکن ایک چیز اس کی سوچ کے برعکس ہوئی۔ آنٹی اسے اپنے گھر جانے کا کہہ رہی تھیں۔

وہ آکاش کا ردِّعمل سوچ کر کانپ گئی۔

"تم پریشان نہیں ہو، وہ اب کچھ بھی نہیں کر سکتے، ہم یہ چاہتے ہیں تم سکون سے وہاں رہ کر اپنا میڈیکل مکمل کرو، اپنے پیروں پر کھڑی ہو۔" انھوں نے اس کا ہاتھ تھام کر سمجھایا۔ انکل نے بھی اسے ہمت دلائی۔ آخر کار وہ اگلے دن اس گھر آ گئی جو کبھی اس کا تھا۔ اسے ایسا لگا وہ ایک بار پھر سے امتحان گاہ میں آ گئی ہے۔ وہ سب اس سے بات نہیں کرتے تھے، اس کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

وہ جب بھی نماز پڑھنے لگتی اس کی ماں اونچی آواز میں رونے لگتی، اسے کوسنے لگتی۔ اس کی بھابھیاں اسے عجیب نظروں سے دیکھتی تھیں۔ گھر کے بچوں کو اس سے دور رکھا جاتا۔ یہ سب اس معصوم سی لڑکی کے لیے اس کی استطاعت سے بہت زیادہ تھا۔ وہ اللہ کے سامنے روتی تھی۔ دعائیں مانگتی تھی۔

اس کے گھر والے مزید کیا کیا ستم ڈھانے والے تھے، وہ نہیں جانتی تھی۔

◆◆◆

ایک ماہ میں اس کے امتحان شروع ہونے والے تھے، لہٰذا اس نے معاملات اللہ کے حوالے کر کے کتابوں کی گرد جھاڑی۔ اس کے یونیورسٹی والوں نے ابھی تک اس کے ساتھ بہت رعایت برتی، لیکن ظاہر ہے امتحان تو اسے خود ہی دینا تھا۔

وہ خود کو پڑھنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کر رہی تھی، جب اس کی ماں ہاتھوں میں ٹرے لیے اس کے پاس مسکراتی ہوئی آئیں۔

یہ رویہ اس کے لیے ناقابلِ یقین تھا، ایسا اظہارِ محبت! اسے لگا وہ خواب دیکھ رہی ہے۔

"میری پیاری بیٹی پڑھ رہی تھی؟"

وہ شہد ٹپکاتے لہجے میں کہتی اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

"پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی بس!" وہ مؤدّب لہجے میں بولی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا ماں اس سے ایسے ہی باتیں کرتی رہیں۔ وہ گھر والوں کے میٹھے لہجوں کے لیے ترس گئی تھی۔

"اپنی ماں کے ہاتھ سے کھانا کھائے گی؟"

اس کے سوال پر اس نے جھٹ سر ہلایا۔ اس کی آنکھیں اس سلوک پر نم ہو گئی تھیں۔

انھوں نے مسکراتے ہوئے نوالہ بنا کر شیلا کے منہ سے قریب کیا تو شیلا ایک دم بدکی، "ماں مجھے اس میں سے سخت بو آ رہی ہے۔"

وہ گھبرائے لہجے میں بولی۔ اس کے اندر زور زور سے خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اس کے گھر والے یقیناً پھر اس کے ساتھ کوئی خوف ناک کھیل کھیلنے لگے تھے۔

"ارے کچھ بھی تو نہیں۔" وہ ذرہ گھبرائیں۔

اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے تیرے لیے۔ "چل نخرے نہ دکھا فوراً کھا لے!"

انھوں نے زبردستی اس کے منہ میں نوالہ ٹھونسا۔ اس کے لیے نگلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ اس نے گلاس اٹھایا، گلاس میں پانی کے بجائے کوئی مشروب تھا۔

"ماں یہ کیا ہے! اس سے بھی مجھے بو آ رہی ہے۔"

گلاس رکھتے ہوئے وہ روہانسی لہجے میں بولی۔

(جاری ہے)

اقصیٰ کی بیسا کھیاں

بنت عامر

"اے چاند تم کس قدر حسین ہو! میرے دوست بھی تمہاری طرح ہی حسین تھے۔ ان کے ساتھ بیتے لمحے بھی بہت حسین تھے۔" سحاب ابراہیم قبۃ الصخرا اور مسجدِ اقصیٰ کے درمیان بنے فوارے کے پاس بیٹھا تھا۔ چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اس کی روشنی فوارے کے پانی کو مزید سحر انگیز کر رہی تھی۔ سحاب چاند کو تکتے دور کہیں گہری سوچ میں کھو گیا تھا۔ اسے اپنے ان دوستوں کی یاد شدّت سے ستا رہی تھی، جنہیں وہ گذشتہ سال کھو بیٹھا تھا۔ اسے یاد تھا کہ اس دن ان کے اسکول میں سالانہ امتحان کے بعد گرینڈ پارٹی رکھی گئی تھی، جس کے لیے وہ اور اس کے دوست بہت بے تاب تھے، پھر پارٹی کے دن جب وہ اسکول جانے کے لیے نکلا تو اسے اسرائیلی فوجیوں نے چیک پوسٹ سے گذرنے نہیں دیا۔ وہ روتا رہا منتیں کرتا رہا مگر اسے اجازت نہیں دی گئی۔ (یاد رہے فلسطین میں اسرائیلیوں نے جگہ جگہ چیک پوسٹ قائم کر رکھی ہیں، جہاں نہتے فلسطینیوں کو سخت اذیت دی جاتی ہے۔ چیکنگ کے بہانے گھنٹوں قطار میں کھڑا رکھا جاتا ہے۔ چیک پوسٹ پار نہ کرنے کی وجہ سے اکثر بچوں کو اسکول کی چھٹی بھی کرنی پڑ جاتی ہے)۔ ادھر اسرائیلی فوجی نے اسکول میں فائرنگ کر دی، جس کی وجہ سے بہت سے بچے شہید ہو گئے۔ سحاب کے تمام دوست جامِ شہادت پی گئے اور سحاب دردِ فرقت لیے اکیلا رہ گیا۔ فرقت و جدائی کی اذیت بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ یہ انسان کو جیتے جی مار دیتی ہے۔ اپنے پیاروں کی جدائی کا داغ لیے آج وہ بہت اداس تھا۔ ابھی وہ چاند کو دیکھنے میں محو تھا کہ اس نے کچھ آہٹ محسوس کی، غور سے دیکھنے پر اس نے اپنے استاد سر یوسف کو اپنے ساتھ بیٹھے پایا۔

"کیا سوچ رہے ہیں، برخوردار؟" سر یوسف مسکرائے۔

"کچھ نہیں، بس چاند کو دیکھ رہا تھا۔ آج چاند کچھ اداس سا لگ رہا ہے۔" سحاب بولا۔

"چاند تو کبھی اداس نہیں ہوتا۔ موسم تو دل کے ہوا کرتے ہیں، اگر دل خوش ہو تو ہر چیز خوش نما معلوم ہوتی ہے اور اگر دل اداس ہو تو خوشی کے تمام اسباب کی موجودگی میں بھی ہر چیز اداس لگتی ہے۔" سر یوسف گویا ہوئے۔

"بچھڑوں کی یادیں ستاتی ہیں۔ واقعی کچھ یادیں اثاثہ ہوتی ہیں۔" سحاب نے تاسف سے کہا۔

"مگر اثاثے جب آمدن سے بڑھ جائیں تو مسئلہ پیدا کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو ماضی سے نکالو اور حال کے امر کو پہچانو۔ ہماری مسجدِ اقصیٰ کو تم شیر جوانوں کی ضرورت ہے سحاب!" سر یوسف نے سمجھایا اور کچھ دیر دونوں کے درمیان سکوت رہا۔ دونوں ہی چاند کو تکتے رہے۔ اچانک سر یوسف نے موضوع بدلتے ہوئے سکوت توڑا۔

"اگر یہ چاند ہی اتنا حسین ہے تو خالقِ چاند کتنا حسین ہوگا۔" سر یوسف نے حسرت سے کہا۔

"آہا! وہ کیا لمحہ ہوگا جب ہم خالقِ چاند کی زیارت کریں گے۔ اللہ اکبر! کتنا مزہ رہے گا۔ مگر۔۔۔ وہاں تو لوگوں کا جمِ غفیر ہوگا، لوگوں کا تانتا بنا ہوگا اپنے خالق کو دیکھنے کے لیے اس دھکم پیل میں کہیں مزہ ہی خراب نہ ہو جائے۔" سحاب گھبرایا۔

"میرے بچے، یہ بتاؤ تم چاند کو دیکھنے میں بھیڑ لگاتے ہو؟ سب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو کر کتنے آرام سے چاند کو دیکھ لیتے ہیں۔ بس اسی طرح خالقِ چاند کا بھی جلوہ ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے تم اپنے رب کو ایسے ہی دیکھو گے جیسے تم چاند کو دیکھتے ہو۔" سر یوسف نے سمجھایا جس پر وہ دونوں پھر سے چاند کو تکنے لگے۔

◆◆◆

"پرنسپل صاحب نے تمام اساتذہ کو اپنے کمرے میں ایک اہم میٹنگ کے لیے بلایا ہے۔" پیڑا سی نے آٹھویں جماعت میں داخل ہو کر مس راحمہ کو پرنسپل صاحب کا پیغام سنایا۔ "معزز طلبہ! آج کا پڑھا گیا سبق کل اچھی طرح یاد کر کے آئیں۔ پیریڈ ختم ہو چکا ہے، اگلے پیریڈ کی کتابیں نکال لیں۔ دوسرے استاد بس آتے ہی ہوں گے۔" مس راحمہ نے کلاس کو مخاطب کر کے کہا، مگر خلافِ توقع کسی نے بھی بیگ کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ مس راحمہ کو کچھ اچنبھا سا ہوا۔

"اگلا پیریڈ کس کا ہے؟" انھوں نے استفسار کیا، جس پر پوری کلاس کو گویا سانپ سونگھ گئے۔ سب نے چہرے جھکا لیے اور اکثر کی آنکھوں میں موتی چمک رہے تھے۔ آخر ایک طالب علم نے ہمت کر کے بہتی آنکھوں سے جواب دیا۔

"سر عبداللہ شہید نوّر اللہ مرقدہٗ کا۔" مس راحمہ بھی آبدیدہ ہو گئیں اور کلاس کو مغموم چھوڑ کر روتے ہوئے کلاس سے نکل گئیں۔ پھر تمام طلبہ نے قرآن مجید اٹھائے اور تلاوت کر کے اپنے استاد کو ہدیہ کرنے لگے۔ سر عبداللہ ان کے تاریخ کے استاد تھے، جنہیں اسرائیلی فوجی نے عین 5 اکتوبر عالمی یومِ اساتذہ کی صبح جب وہ اسکول کی جانب رواں تھے، گولیاں مار کر شہید کر دیا۔ ان کی شہادت نے القدس پبلک اسکول کے بچوں کو یتیم کر دیا۔ ہر بچہ اپنے استاد کی جدائی پر نوحہ کناں تھا۔ آج ان کی شہادت کو 20 دن گذر چکے تھے، چوں کہ اب تک کوئی نئے استاد کا تعین نہیں ہوا تھا، اس لیے طلبہ تاریخ کے پیریڈ میں اپنے شہید استاد کے لیے کلامِ پاک پڑھ کر ہدیہ کرتے تھے۔

◆◆◆

مس راحمہ پرنسپل صاحب کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہاں دیگر اساتذہ بھی جمع تھے، البتہ سب کے چہروں پر اداسی عیاں تھی کہ سر عبداللہ کا غم سب میں تازہ تھا۔ جب تمام اساتذہ

آگئے تو دفعتاً پرنسپل صاحب ایک کرسی خالی دیکھ کر رو پڑے۔ آج سر عبداللہ کی سیٹ خالی تھی۔ انھوں نے نظریں جھکائیں اور پھر ہمت مجتمع کرکے سب کی طرف متوجہ ہوئے۔

"جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ ہم اپنے ہر دل عزیز استاد سے محروم ہوگئے ہیں، وہ بھی عین اسی دن جب دنیا استاد کو خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ ہمارے بچوں نے بھی اپنے اساتذہ کے لیے نیک تمنائیں رکھی تھیں، مگر افسوس ہم فلسطینیوں پر! افسوس ہمارے بچوں پر! ہم نے تو اس دن بھی خون آلود لاش ہی دیکھیں وہ بھی اپنے پیارے استاد کی۔ ہمارا جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ ہم فلسطینی ہیں؟ ہمارے پیاروں کو خون میں نہلا کر اگر یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے جذبے ماند پڑ جائیں گے تو ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ ہم ہر شہید کے لہو سے نیا دیپ جلاتے ہیں۔ ہم اب بھی اپنے بچوں کو یہی سکھائیں گے کہ اپنے فلسطین کے لیے، اپنی مسجدِ اقصیٰ کے لیے جان کی بازی لگانا بہت بڑی سعادت ہے۔ ہم نے اپنے بچوں کو بہت مضبوط بنانا ہے۔" پرنسپل صاحب نے جذباتی انداز میں کہا۔

"اب 20 نومبر کو دنیا عالمی یومِ اطفال منائے گی۔ مگر القدس کے بچے خون کی ہولی دیکھیں گے۔ میں اپنے بچوں کو مایوس دیکھنا نہیں چاہتا۔ آئے روز لاشیں دیکھ کر ہمارے بچوں میں جینے کی امنگیں ختم ہو چکی ہیں۔ ہمارے اکثر بچے یتیم ہیں، وہ مر کر اپنے والدین کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ یہ ہیں ہمارے ننھے منے بچوں کے خواب! حالاں کہ دنیا والوں کے بچے تو اس عمر میں اونچے اونچے خواب دیکھتے ہیں۔ ان کے بڑے بچوں کے عالمی دن میں انھیں خراج تحسین پیش کرکے ان کے حوصلے بلند کرتے ہیں۔ میرے معزز اساتذہ کرام! ہم نے اپنے بچوں کو مضبوط کرنا ہے۔ انھیں بہادر بنانا ہے، لہٰذا انھیں صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات سنائیں۔ انھیں یہ احساس دلائیں کہ وہ ان ظالموں کے بھنور سے ایک دن ضرور نکلیں گے، آزاد فضا میں سانس لیں گے۔ خدارا انھیں مایوسی سے بچائیں۔ انھیں پکا محبِّ وطن، محبِّ قدس اور عاشقِ اقصیٰ بنائیں۔" تمام اساتذہ نے تائیدی نگاہ سے انھیں دیکھا اور اس عزم اور ولولے سے کمرے سے نکلے کہ وہ اپنے بچوں کو مایوس نہیں ہونے دیں گے۔

20 نومبر کی صبح دنیا بچوں کے اعزاز میں جشن منا رہی تھی۔ ہر جگہ شور ہنگامہ تھا۔ لوگ رنگ رلیوں میں مصروف تھے، مگر مسجدِ اقصیٰ کے احاطے میں القدس پبلک اسکول کے طلبہ فلسطینی شہید بچوں کے لیے دعاؤں اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کر رہے تھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! القدس کی بیساکھیاں کیسی ہیں؟ سر یوسف نے کلاس میں داخل ہوتے ہوئے کہا، جس پر طلبہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اپنے قرآن مجید بند کیے۔

"القدس کی بیساکھیاں؟ کیا مطلب؟" کئی آوازیں گونجیں جس پر سر یوسف مسکرائے۔

"بھلا بیساکھیاں کیا کام کرتی ہیں؟" انھوں نے سوال اٹھایا۔

"وہ سہارا دیتی ہیں۔" سحاب بولا۔

"بالکل! آپ لوگ بھی تو ہمارا سہارا ہو! القدس کا سہارا ہو، اس لیے میں نے آپ لوگ کو القدس کی بیساکھیوں سے مخاطب کیا۔" سر یوسف بھرپور انداز میں مسکرائے۔

"مگر سر یہ بیساکھیاں بہت کم زور ہو چکی ہیں۔ آئے روز ظالموں کی مار سے ان پر دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ اب تو یہ ٹوٹنے کے قریب ہیں۔" محمد نے غم زدہ انداز میں کہا۔

"ارے اتنی مایوسی! وہ بھی ہمارے ان جوان بچوں میں!! لگتا ہے سر عبداللہ کے پڑھائے گئے تاریخ کے اسباق بھول گئے ہو۔" سر یوسف مسکرائے۔

"چلو میں دہراتا ہوں، تاکہ میری بیساکھیاں ایک بار پھر تازہ دم ہو جائیں اور اپنی قدر اور اپنا مقام پہچانیں۔ ہمارے بچے تو شیر کی طرح چنگھاڑتے ہیں اور شاہین کی طرح جھپٹتے ہیں۔ اپنے دشمن کو تاک تاک کر نشانہ بناتے ہیں۔ یاد ہے کیسے معاذ اور معوّذ رضی اللہ عنہما نے ابو جہل کو مارا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جنگِ بدر میں میرے دائیں طرف معاذ اور بائیں طرف معوّذ کھڑے تھے۔ مجھے بڑی غیرت اور شرم آئی کہ میں بچوں کے درمیان کھڑا ہوں، مگر جب انہی بچوں نے مجھ سے ابو جہل کا پتا پوچھا اور پھر اس کا کام تمام کر دیا تو مجھے ان بچوں کی بہادری پہ بڑی حیرت ہوئی۔ اللہ!! کیا جذبہ تھا ان کا۔ پھر رافع اور سمرہ رضی اللہ عنہما کا معاملہ کتنا دل چسپ ہے۔ وہ ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر اپنا قد اونچا کرکے دکھاتے تھے، تاکہ اللہ کے نبی ﷺ ان کو اپنے ساتھ جنگ میں لے جائیں، پھر جب رافع کو تیر اندازی میں مہارت کی وجہ سے اجازت ملی تو سمرہ نے فوراً غیرت مندانہ انداز میں کہا کہ میں پہلوانی میں ماہر ہوں رافع کو پچھاڑ دیتا ہوں اور جب مقابلہ کروایا گیا تو انھوں نے رافع کو آہستہ سے کہا کہ دیکھو بھئی تمہیں تو اجازت مل ہی گئی ہے، اب مجھے ہی جیتنے دینا تاکہ مجھے بھی اجازت مل جائے، چناں چہ دونوں کو اجازت مل گئی۔" یہ سن کر پوری جماعت کے چہروں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہمارے بچے تو ایسے بہادر ہوا کرتے تھے۔ یہ تم لوگ کو مایوسی کی چادریں نجانے کس نے اڑھادیں۔ تم سب نے ایوبی کی طرح القدس کا سہارا بننا ہے۔ اقصیٰ کے آنسو پونچھنے والا بننا ہے۔ ہے نا!!! بنیں گے نا!!! سب القدس کی بیساکھیاں؟ سر ہیومن نے سوالیہ انداز میں پوچھا جس پر سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔

"جی ضرور! ہم اپنی اقصیٰ کی حفاظت کے لیے آخری سانس تک تیار رہیں گے۔"

اور سر یوسف اب مطمئن تھے کہ وہ اپنے ننھے منے بچوں میں ایوبی روح بیدار کر گئے ہیں۔

صبر

ماویم زاہدہ

زندگی کبھی کبھی آپ کو موت کے دہانے لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ ایسی صورت جس میں آگے کنواں ہوتا ہے اور پیچھے کھائی۔۔۔۔ ایسے میں انسان کیا سوچتا ہے؟

بس یہی کہ کاش زندگی میں فلاں وقت یہ فیصلہ نہیں، کوئی اور فیصلہ کیا ہوتا۔۔۔۔ کبھی کبھی ہم اس سوچ کو لے کر ذہنی مریض بن جاتے ہیں۔۔۔۔ لیکن وہ وقت تو آزمائش کا ہوتا ہے۔۔۔۔ صبر کرنے کا توکل کا۔۔۔۔ اگر ہم اس وقت میں یہ سب کر لیں تو کنواں بھی پھولوں سے بھر اگے کا اور کھائی بھی۔

بس ہمیں اپنے رب پر یقین رکھنا ہے اور صبر کرنا ہے۔

کیوں کہ صبر ایک ایسا پھل ہے جو کبھی سڑتا نہیں، ہمیشہ میٹھا رہتا ہے۔

رول ماڈل

عمارہ فہیم

"کیسی نالائق اولاد ہے، یہ نہیں کہ باپ تھکا ہارا آیا ہے اسے پانی کا ہی پوچھ لیں۔"

دانش گھر میں داخل ہوا تو حسبِ معمول فریحہ (بیٹی) اور احمر (بیٹا) دونوں موبائل میں گیم کھیلنے میں مصروف تھے۔ باپ کو دیکھ کر مزید سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ دانش کا پارا مزید چڑھ گیا اور دونوں بچوں سے موبائل چھین کر انھیں خوب مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

"دیکھیے! آپ ہر وقت بچوں پر چیختے چلاتے ہیں، یہ اچھی بات نہیں ہے، اماں ابا کے ساتھ بھی آپ کا رویہ ٹھیک نہیں ہوتا، بچے جیسا ہمیں کرتے ہوئے دیکھیں گے، بڑے ہو کر ویسا ہی کریں گے۔ عمیرہ حسبِ عادت اسے سمجھانے لگی۔

دانش کی بیوی پڑھی لکھی، سمجھ دار، سلجھی ہوئی تھی، اسے بچوں و بزرگوں کے ساتھ دانش کا رویہ تکلیف دیتا تھا، وہ ہمیشہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تھی، مگر دانش کی بات سمجھنے کے بجائے اس سے لڑ پڑتا۔ "اچھا! اب تو مجھے بتائے گی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں، زیادہ چپڑ چپڑ نہ کیا کر، تیرا کام چولہا چوکھا کرنا اور گھر سنبھالنا ہے، بس وہی کیا کر، زیادہ زبان نہ چلایا کر، بچوں کی تربیت تو کر نہیں سکتی اور زبان ایسے چلاتی ہے جیسے کہیں کی استانی لگی ہو، گھر میں سارا دن رہتی ہے، بچوں کو ٹھیک سے سنبھال نہیں سکتی، بچوں کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔" کم و بیش ہر بار سمجھانے پر وہ بیوی کو یوں ہی ڈانٹ دیا کرتا تھا۔ آس پاس بیٹھے بچے ماں باپ کی ہر گفت گو اور ہر فعل کو خاموش ڈیوائس بن کر اپنے اندر محفوظ کر رہے تھے۔

◆◆◆

"سن پتر! تیری اماں کی دوا ختم ہو گئی ہے لادے۔"

دانش کے بوڑھے باپ نے دروازے کے پاس سے گزرتے بیٹے کو پکارا۔

"ہاں! جو کماؤں تمہاری دوائیوں اور کھانے پینے پر لٹا دوں، اپنا گھر بار نہ دیکھوں۔"

دانش نے تیوریاں چڑھا کر غصے میں دہاڑتے ہوئے کہا اور اندر آنے کے بجائے واپس دروازہ پٹختے ہوئے باہر نکل گیا، بوڑھے ماں باپ کا کم زور دل کانپ گیا اور یہ سوچتے ہوئے آنکھ سے نمکین پانی نکل آیا۔

"یاالٰہی! تو نے تو ماں باپ کا درجہ بہت بلند بنایا ہے، یہاں تک کہ اپنی کتاب میں فرمایا: انھیں اف بھی نہ کہو بلکہ ان کے لیے دعا کرو، ہماری تربیت میں ایسی کیا کمی رہ گئی کہ ہماری اولاد ہمارے ساتھ نوکروں سے بھی بدتر سلوک کرتی ہے، ہم تو وہ بدنصیب ماں باپ ہیں جو اولاد کو بددعا بھی نہیں دے سکتے کہ اگر اسے سوئی بھی چبھے گی تو تکلیف تو ہمیں ہی ہو گی۔"

صحن میں کھیلتے بچوں نے جب باپ کی سخت آواز سنی تو سہم کر ماں کے پاس لپکے، ماں نے سینے سے لگا کر پیار کیا۔

"اماں! ابا کیوں اتنا چیختے ہیں، ہماری ٹیچر تو کہتی ہیں بات ہمیشہ آرام سے کرنی چاہیے اور آپ بھی تو اتنے آرام سے بات کرتی ہیں۔" دس سالہ احمر نے اپنے دل میں مچلتا سوال کر ڈالا۔

"آپ کے ابا بہت اچھے ہیں بیٹا! بس کام کی فکر ہے نا! تو اس لیے غصہ کرنے لگے ہیں۔" عمیرہ نے بچوں کو بہت نرمی سے سمجھانا چاہا تاکہ باپ کی طرف سے بچوں کا دل خراب نہ ہو۔

"مگر اماں! دادا نے تو دادی کی دوا کا کہا تھا نا! ابا کو ان کی دوائی لانی چاہیے نا!! انھوں نے تو ان پر غصہ کر دیا اور میں نے دیکھا دونوں رو رہے تھے، ابا نے ایسا کیوں کیا؟" اب فریحہ نے سوال کر دیا۔

"ہو سکتا ہے باہر کسی سے جھگڑا ہوا ہو اور باہر کا غصہ گھر میں نکل گیا ہو اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے ابھی پیسے نہ ہوں، پیسے ملتے ہی دوا لے آئیں گے، ان شاء اللہ! ابھی چلو! ہم دادا ابو اور دادی امی کو کھانا کھلاتے ہیں۔" عمیرہ نے ایک بار پھر بات سنبھالنے کی کوشش کی اور بچوں کو لیے اگلے مرحلے کی طرف چل پڑی۔

◆◆◆

احمر کی ماں عمیرہ تو شوہر کی سختیاں جھیلتے جھیلتے بالآخر تھک ہار کر ابدی نیند سو گئی تھی اور دانش ماں باپ، بیوی کے چلے جانے کے بعد ہر وقت بیمار رہنے لگا تھا۔

یہ تو اچھا ہوا عمیرہ کا انداز اور مزاج دیکھ کر بچے غلط روش پر چلنے سے بچ گئے تھے، اس نے ہمیشہ سے بچوں کو زبانی سمجھانے کے بجائے عمل کر کے دکھانے کو ترجیح دی تھی، یہی وجہ تھی کہ دونوں بچوں نے ماں کی خدمت گزاری، خلوص و شفقت کو اپنے اندر سمو لیا تھا۔

◆◆◆

"ابا! دوا لے لیں کس قدر کھانسی ہو رہی ہے، کل چلیے گا میرے ساتھ کسی دوسرے ڈاکٹر سے چیک اپ کرواؤں گا۔ آپ کی کھانسی ٹھیک ہی نہیں ہو رہی۔" احمر نے پلنگ پر لیٹے ہوئے باپ کو سہارا دے کر اٹھایا اور دوا پلاتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

دانش جب بھی احمر کو اپنی خدمت کرتا دیکھتا اس کے دل میں ایک ٹھیس اٹھتی تھی اور زبان صرف کاش کا لفظ ادا کرتی اور بقیہ جملے اندر ہی دم توڑ جاتے۔

"کاش! میں بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا، ان کی خدمت کرتا، مگر میں نے تو ہر پل انھیں جھڑکا، میرے ساتھ بچوں کا حسنِ سلوک دیکھ کر میرا دل شرم

سے مرجانے کو کرتا ہے، انھی بچوں کو کیا کچھ نہیں کہتا تھا، عمیرہ مجھے کتنا سمجھاتی تھی کہ۔۔۔ لیکن میں نے کبھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔" ماں کی تربیت نے بچوں کو کہاں سے کہاں پہنچادیا، جب کہ میں صرف چیخ پکار ہی کرتا تھا۔ دانش ان سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"بابا! کیا ہوا؟؟ کیا کہیں تکلیف ہو رہی ہے، کیا ہوا آپ رو کیوں رہے ہیں؟"

احمر نے باپ کی آنکھوں سے آنسو نکلتے دیکھے تو بے قرار ہو گیا۔

"نہیں بیٹا! یہ آنسو کسی تکلیف کے نہیں بلکہ یہ تو پچھتاوے کے آنسو ہیں، کتنا غلط کیا میں نے سب کے ساتھ، خاص طور پر اپنے ماں باپ کے ساتھ تو وہ سلوک کیا ہے کہ اس کی تو مجھے معافی بھی نہیں ملنی چاہیے، بلکہ اس کے بدلے تو میرے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک ہونا چاہیے تھا، مگر تم لوگوں نے ہمیشہ اس کے الٹ ہی میرے ساتھ رویہ رکھا، میرا ہمیشہ خیال رکھا نہ صرف بلکہ اپنے بچوں کو بھی اپنے ہر عمل سے بڑوں کا ادب واحترام سکھایا ہے۔"

بات کرتے کرتے رونے کی وجہ سے دانش کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں، بہت مشکل سے احمر نے باپ کو سنبھالا۔

"ابا! جھوٹ نہیں کہوں گا، سچ کہوں گا جب بھی آپ ہمارے سامنے دادا دادی سے بدسلوکی کرتے تھے، امی کو مارتے تھے، چیختے چلاتے تھے تو میں اور فری آپس میں جب بھی بات کرتے تو ہم ایک دوسرے کو کہتے تھے۔"

"فری میں جب بڑا ہو جاؤں گا تو میں ابا سے بھی زیادہ سختی سے بات کیا کروں گا، تاکہ ہر کوئی میرے رعب میں رہے، کسی کی مجال نہ ہو میرے سامنے کچھ کرنے کی۔" فریحہ میری ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا کرتی:

"بھائی! میں تو کسی کو منہ ہی نہیں لگاؤں گی، ہر وقت غصہ ناک پر رکھوں گی، تاکہ میرے سامنے کسی کو بولنے کی بھی ہمت نہ ہو۔"

ایک دن امی نے ہمیں ایسے ہی کھسر پھسر کرتے ہوئے دیکھا تو اپنے پاس بلایا بچو! میرے ساتھ آؤ ذرا میری مدد کرو۔"

ہم دونوں ماں کی آواز سن کر اپنے مستقبل کے منصوبے بھول کر امی کی بات سننے پہنچ گئے۔

"آج گیس کم آرہی ہے، میرے ہاتھ میں بہت تکلیف ہو رہی ہے آپ دونوں مل کر لڑکیاں توڑ دو۔" امی نے ہمیں کچھ نرم لکڑیوں اور کچھ سوکھی سخت لکڑیوں کو توڑنے کا اشارہ کیا۔

ہم نے سوکھی سخت لکڑی کو بڑے آرام سے توڑ لیا اور جو نرم لکڑی تھی اسے توڑنے میں ہم دونوں کو پسینہ آگیا، مگر وہ لکڑی نہ ٹوٹی، بہت جدوجہد کے بعد ہم ماں کے پاس آئے تو ماں نے ہمارا پسینہ اپنے دوپٹے سے صاف کیا اور کچھ بھی کہے بغیر کھانا بنانے لگی۔ میں نے امی سے سوال کیا:

"امی! دونوں ایک ہی درخت کی لکڑیاں ہیں، مگر یہ سخت سوکھی لکڑی کتنے آرام سے ٹوٹ گئی اور نرم والی لکڑی نے ہمیں تھکا دیا، ایسا کیوں؟"

ماں ہنڈیا بناتے ہوئے مسکرائی تھیں اور سارے مسالے ڈال کر ڈھکن ڈھانپ کر کہنے لگیں:

"بیٹا! یہ جو سخت لکڑی ہے، اس میں بہت اکڑ ہے، اپنی اکڑ کی وجہ سے جلد ٹوٹ گئی اور نرم لکڑی میں لچک ہے، جس کی وجہ سے اسے آپ توڑ نہیں سکے۔ ایسے انسان بھی ہوتے ہیں کچھ سخت مزاج اور کچھ نرم مزاج، سخت مزاج اندر سے بالکل اس لکڑی کی طرح کھوکھلے اور نرم مزاج، اس نرم لکڑی کی طرح اندر سے مضبوط ہوتے ہیں، اس لیے میں چاہتی ہوں میرے بچے اس نرم لکڑی کی طرح مضبوط بنیں، اس سخت لکڑی کی طرح کھوکھلے اور سخت نہیں، آپ دونوں بتائیں کون سی لکڑی آپ کو اچھی لگی۔"

ماں نے ہمیں بڑے پیار اور آرام سے ہر بات عمل سے سمجھائی۔

"امی دیکھنے میں تو یہ سخت والی لکڑی ہی ہمیں اچھی لگی تھی، کیوں کہ یہ زیادہ تھکا نہیں رہی، لیکن آپ نے جس طرح ہمیں بتایا اور جیسے نرم لکڑی نے ہمیں تھکایا تو مجھے اب نرم لکڑی ہی پسند آئی ہے، میں بھی ایسے ہی بنوں گی اوپر سے نرم اور اندر سے مضبوط، تاکہ کوئی مجھے توڑ کر نقصان نہ پہنچا سکے۔"

فریحہ نے ماں کی بات کو سمجھتے ہوئے اپنا جواب دیا تو ماں میری طرف متوجہ ہوئی۔

"جی امی میں بھی فری کی طرح نرم لکڑی کو ہی پسند کروں گا۔"

ہمیں ایسا لگا تھا جیسے ہم دونوں کی بات سن کر امی کے دل میں جو بے چینی تھی وہ سکون میں بدل گئی تھی۔

◆◆◆

"ابو! امی نے ہمیشہ اپنے انداز سے ہماری سخت ہوتی سوچ کو بدلا ہے، اپنے پیار، نرم ملائم انداز، اپنے اخلاق سے ماں نے ہمیشہ ہماری بنجر زمین کو سیراب کیا ہے۔ آج ہم آپ کے سامنے جس طرح کھڑے ہیں، ماں کی دی گئی اس مثال کی وجہ سے ہی ہیں کہ نرم اور لچک دار بنو تاکہ کوئی تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے، سخت نہ بنو کہ ہر کوئی تم سے دور بھاگے۔"

احمر نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے اپنے دل کا بوجھ باپ کے آگے ہلکا کیا۔

"ابو! بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، اگر ہماری بنجر زمین سیراب نہ کی جاتی تو آج نہ جانے کتنے دانش وجود میں آچکے ہوتے اور کتنی عمیرہ دم توڑ چکی ہوتیں۔ امی نے ہمیشہ خود کو ہمارے سامنے رول ماڈل کی صورت پیش کیا ہے۔"

باپ بھائی ابھی گفتگو کر رہے تھے کہ فریحہ بھی اپنے بچوں سمیت ان سے ملنے آگئی اور دونوں کی باتیں سن کر اس نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"صحیح کہا تم نے! رول ماڈل، تمہاری ماں ہمیشہ مجھے یہی کہا کرتی تھی، لیکن مجھ میں سمجھ کی کمی تھی، ہمیشہ اسے غلط اور خود کو صحیح ثابت کرنے میں لگا رہا، میں بس تم دونوں سے معافی ہی مانگ سکتا ہوں۔" دانش نے روتے ہوئے اپنے بچوں سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں ابو! ہم نے یہ سب آپ کو اس لیے نہیں بتایا کہ آپ شرمندہ ہوں بلکہ آپ کی خدمت ہم پر فرض ہے، ہم ماں کی کہی بات کو عمل میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہم اپنے چھوٹوں کے لیے رول ماڈل ہیں۔ ہمیں اچھا بننا ہے۔ ہم اچھے بن گئے تو سب کچھ خود صحیح ہوتا چلا جائے گا اور معاشرے سخت سوکھی لکڑیاں نہیں بلکہ نرم ولچک دار کئی عمیرہ جنم لیں گی اور وہی ایک نئے معاشرے کی بنیاد اور رول ماڈل بن کر اسے پروان چڑھائیں گی۔"

"احمر و فریحہ نے باپ کے آنسو صاف کرنے انھیں گلے لگایا تو صحن میں کھیلتی نئی نسل کو ایک نیا سبق ملا کہ بڑوں کے ساتھ پیار، محبت، اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔"

بلا عنوان

عائشہ طاہر

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 جنوری ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں

"پتر نواز! کل ہی تیرے ساتھ میں بھی جیل چلوں گی اور ہاں منع نا کرنا..."
اماں موڑھا گھسیٹتی ناشتا کرتے چودھری نواز کے قریب بیٹھتی بولی تھی۔

"مگر اماں!"

"نا پتر نا، اگر مگر کچھ نہیں سننا مجھے تو جانتا ہے، اس دن کے انتظار میں تیری ماں کتنا تڑپی ہے، پوری پوری رات رو رو کر اللہ سائیں سے اس کے انصاف کی بھیک مانگی ہے، بس میں بھی جاؤں گی کل جیل... اپنے سر کے سائیں اور شیر جوان پتر کے قاتل کو سولی جھولتا دیکھ کر اپنا کلیجہ اور آنکھیں ٹھنڈی کروں گی۔"

چودھری نواز پراٹھے کا نوالہ نگلتا پریشانی سے گویا ہی ہوا تھا کہ اماں نے اس کی بات کاٹ دی اور اماں کے اس دوٹوک جواب پر نواز کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں کی نمایاں ہو گئی تھیں۔

◆◆◆

نواز کے والد چودھری اشتیاق جدّی پُشتی جاگیر دار تھے، جن کی سینکڑوں مربع زمین بلاشبہ سونا اگلتی تھی، اتنی زمینوں کے مالک اور دولت کی ریل پیل ہونے کے باوجود چودھری اشتیاق روایتی جاگیرداروں کے برعکس بڑے نیک دل اور خداترس انسان تھے، ان کے ملکیتی گاؤں میں ان کی ذاتی کاوشوں کی وجہ سے نہ صرف گاؤں والوں کو بجلی، پانی اور گیس جیسی بنیادی سہولتیں میسر تھیں بلکہ پڑھا لکھا نہ ہونے کے باوجود تعلیمی میدان میں بھی چودھری صاحب کی کاوشیں بلاشبہ ان کو سلجھا ہوا انسان ظاہر کرتی تھیں، انھوں نے گاؤں میں صرف لڑکوں کے لیے ہی نہیں بلکہ لڑکیوں کے لیے بھی ایک اسکول بنوایا ہوا تھا، جہاں باقاعدہ قریبی شہر سے استانیاں پڑھانے آتی تھیں، جن کو تنخواہ اور دیگر مراعات خود چودھری صاحب دیتے تھے۔

اپنے حسنِ سلوک، اعلیٰ اخلاق اور گاؤں والوں کو ہر قسم کی سہولیات دینے کی وجہ سے چودھری صاحب صرف اپنے گاؤں ہی نہیں بلکہ آس پاس کے دیہاتوں میں بھی خوب مقبولیت رکھتے تھے۔

مگر حاسد فطرت لوگوں کو ایسے نیک اور مقبول لوگوں کا وجود کہاں گوارا ہوتا ہے، چناں چہ چودھری صاحب سے حسد کرنے والوں کی بھی ایک کثیر تعداد تھی جو چودھری صاحب کی نیک نامی اور دریا دلی سے خار کھایا کرتے تھے، ان حاسدین میں سرِفہرست چودھری صاحب کے چچا زاد بھائی چودھری فخر زماں تھے، اللہ نے ان کو بھی خوب نوازا ہوا تھا اور وہ بھی کم و بیش چوہدری صاحب کے برابر ہی زمینوں کے مالک تھے، مگر ان کی زمینیں چودھری صاحب کی زمینوں کی طرح اچھی پیداوار نہیں دیتی تھیں اور چند مربع زمین تو سیم و تھور کا بھی شکار تھی اور نہ ہی وہ چودھری مشتاق کی طرح ہر دل عزیز شخصیت تھے، بلکہ اپنی سخت گیر طبعیت اور حاکمانہ مزاج کی وجہ سے سب ہی ان کو ناپسند کیا کرتے تھے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ چودھری فخر زماں اپنے تایا زاد چودھری مشتاق کی خوبیوں کو خود بھی اپنانے کی کوشش کرتے، مگر ان کی حاسد فطرت اور بدنیتی نے ان کو اپنے ہی تایا زاد بھائی کا دشمن بنادیا اور یہی نفرت ان کے اکلوتے بیٹے کے دل میں بھی منتقل ہو گئی اور بالآخر اس بے سبب نفرت نے چودھری فخر زماں کے بیٹے چودھری دلاور کے ہاتھ اپنے ہی تایا چودھری مشتاق اور ان کے بڑے بیٹے چودھری نیاز کے ناحق خون سے رنگین کرادیے۔

اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے حسد کے جذبے سے نہ صرف خود پناہ مانگی بلکہ امت کو بھی حسد سے بچنے کی تلقین فرمائی... یہی حسد تو تھا جس کی بنا پر شیطان لعین نے آدم و حوا علیہما السلام کو جنت سے نکلوادیا.... اور اسی حسد نے قابیل کے ہاتھوں اپنے ہی بھائی ہابیل کو قتل کروا ڈالا۔

◆◆◆

چودھری دلاور کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا تھا، مگر اس کو اپنی چودھراہٹ کا بڑا غرور تھا، اس کو پورا یقین تھا کہ اس کا باپ چودھری فخر زماں اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر اس کو جیل سے نکلوا لے گا، مگر ایسا نہ ہو سکا کیوں کہ چودھری مشتاق کے چھوٹے بیٹے چودھری نواز نے شہر کے بڑے اور جانے مانے وکیل کو ہائر کر لیا اور قاتل کو سزا دلانے کے لیے بھرپور کوششیں شروع کر دیں۔

کیس چوں کہ دوہرے قتل کا تھا اور دونوں جانب ہی بااثر خاندان تھے، اس لیے چودھری دلاور کو سزائے موت سنادی گئی، چودھری فخر زماں نے سزا ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، پانی کی طرح پیسا بہایا، مگر سوائے سزائے موت کی تاریخ کو آگے بڑھانے کے اور کچھ نہ کر سکا، آخر مجبور ہو کر چودھری نواز کو خون بہا کی رقم لینے کے لیے منتیں کرنے لگا، مگر چودھری نواز کیسے اپنے مشفق باپ اور شدید محبت کرنے والے بھائی کے خون کا سودا کر لیتا، جب کہ چودھری نواز کی ماں بھی شدّت کے ساتھ اپنے شوہر اور بیٹے کے قاتل کو تختۂ دار پر دیکھنے کی متمنی تھی۔

جوں جوں پھانسی کا دن قریب آرہا تھا توں توں چوہدری نواز کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی، کیوں کہ چودھری فخر زماں ہی نہیں بلکہ اب تو اس کی بیوی بھی روز چودھری نواز کے ڈیرے پر آتی اور اس کے قدموں میں اپنا دوپٹا ڈال کر بلک بلک کر اپنے اکلوتے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتی تھی اور دوسری جانب اس کی اپنی ماں تھی جو دلاور کی پھانسی کے دن گن رہی تھی۔

انہی دنوں شہر سے چودھری نواز کا ایک قریبی دوست اس سے ملنے آیا تو بطور تحفے کے چند کتابیں بھی ساتھ لے آیا تھا، ان ہی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر لکھی گئی کتاب بھی تھی، چودھری نواز مطالعے کا بہت ہی شوقین تھا، اس نے "سیرتِ طیبہ" کا مطالعہ شروع کر دیا۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعے کے دوران ہی اس کی نظر سے ایک واقعہ گزرا، جس نے اس کی پریشانی اور ذہنی دباؤ کو یکسر ختم کر دیا۔ چودھری نواز ایک فیصلہ کر چکا تھا اور اب پھانسی کے مقررہ دن کا منتظر تھا، مگر پھانسی سے محض ایک دن پہلے ہی اماں کی جیل ساتھ جانے کی خواہش نے چودھری نواز کو پھر سے فکر میں مبتلا کر دیا تھا، کیوں کہ اماں کے ساتھ ہوتے ہوئے اپنے فیصلے پر عمل درآمد کرنا اس کے لیے تقریباً ناممکن ہی تو تھا۔

◆◆◆

ابھی فجر میں کافی دیر تھی۔ تاریکی کی وجہ سے پھانسی گھاٹ کے اطراف میں چند ملگجے بلب روشن ہونے کے باوجود تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک سپاہی لالٹین پکڑے کھڑا تھا، جن کے لمبے لمبے سائے ماحول کی وحشت اور ہولناکی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔

پھانسی کا تختہ بالکل تیار تھا۔ دلاور سزائے موت کے قیدیوں کے لیے مختص ایک کال کوٹھری سے پیچھے بندھے ہاتھوں کے ساتھ دو سپاہیوں کی معیّت میں شکستہ قدموں سے چلتا تختہ دار کے قریب آ کھڑا ہوا تھا، اس کے چوڑے کاندھے اور فخر و غرور سے ہمہ وقت تنی گردن اس وقت

قربانیوں کا سفر

بنت جاں زیب

اسلامی تاریخ دو لکیروں سے لکھی جاتی ہے، ایک وہ لکیر جو علما کے زبان و قلم سے وجود میں آتی ہے اور دوسری سرخ لکیر جو شہدا کے خون کی لکیر ہے۔ یہ دونوں طبقے ہر دور میں میدانِ عمل میں جبلِ استقامت بنے کھڑے رہے۔ فتنوں کے طوفان آتے رہے، لیکن نہ علما کے قلم و لسان رکے اور نہ شہدا نے اپنے خون سے زمین کو سینچنا چھوڑا۔ دورِ نبوی سے لے کر آج تک یہ دونوں لکیریں اپنا اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔

پڑوسی ملک میں فتح مبین بھی اس کی عکاس ہے کہ کس طرح علما و طلبہ نے اپنا خون دے کر اپنا ملک بچایا، باطل کے ناپاک شکنجوں سے اپنا پیارا ملک، "افغانستان" واپس لیا۔ عزت و سربلندی کے ساتھ، خوشی و مسرت کے ساتھ، فخر و عاجزی کے ساتھ۔ ان کا فخر بھی بجا تھا کہ آج کے اس دور میں ساڑھے چودہ سو سال بعد فتح مکہ کی یاد تازہ ہوئی اور عاجزی بھی تھی کہ لاکھوں شہدا کی قربانیاں یاد آرہی ہیں۔ خوشی کے اس موقع پر بھی فاتحین کی آنکھیں اپنے پیاروں کی جدائی میں نم تھیں اور کیوں نہ ہوتیں، انھوں نے ایک ساتھ اس دھرتی پر اسلامی نفاذ کے خواب دیکھے تھے، لیکن پھر یہ ہوا کہ خواب بکھیر گئے۔ بچے یتیم بیویاں بیوہ ہو گئیں۔ ان گرم زاروں میں اللہ کے پیاروں نے اپنے خون کی ندیاں بہائیں، ماؤں نے اپنے جگر گوشوں کے لاشے اٹھائے۔ ایک ایک گھر سے چار چار جنازے بھی اٹھے، لیکن وہ پھر بھی زخمی دل و بدن لیے اپنے رب سے مناجات کرتے کہ ربّا! تیرے دین کی سربلندی کے لیے سب منظور ہے۔ ہم وہ دن دیکھنا چاہتے ہیں، جس دن اس ملک میں اسلام کی بہاریں ہوں۔

بلاشبہ اس طویل سفر میں مجاہدینِ اسلام دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرے، لیکن جبلِ استقامت بن کر کھڑے رہے کہ باطل نے انھیں ایک وقت میں للکارا تھا کہ مسلمانوں کے شاعر علامہ اقبال نے یہ کیسا شعر کہا ہے

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

بھلا بغیر ساز و سامان کے بھی کوئی قدم لڑ سکتی ہے۔ ہاں اللہ پر توکل اور ایمان کی طاقت وہ شے ہے کہ جس سے سپر کو صفر بنایا جاسکتا ہے۔

رب کے بندوں پہ جب تنگ تھی، یہ زمیں
رب کی دنیا میں تھا اجنبی رب کا دین
ہم نے دہرایا پھر قصہ اوّلین ------
سعد و خالد، عُبیدہ کا عزم و یقین

انبیاء کرام اور صحابہ کرام علیہم السلام ورضوان اللہ علیہم اجمعین کی یادیں تازہ ہو گئیں بلاشبہ آج کے دور کی اس عظیم الشان فتح کی بہاروں میں شہدا کے خون کی آبیاری ہے، جوانوں کے زخمی حالت میں رب سے مناجات والے آنسو ہیں۔ اللہ تو اپنے بندوں سے بہت پیار کرنے والا ہے، بھلا وہ ذات کیسے بھول سکتی ہے کہ اس کے پیاروں کو کیسے ستایا گیا۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا

قربانیوں کا یہ سفر نہایت طویل بھی تھا اور کٹھن بھی، اس میں اپنے پیاروں سے جدائی کا درد بھی تھا اور اللہ کے قرب کا مزہ بھی، اس میں ساتھیوں کی جدائی کا غم بھی تھا اور شہادت کی حسین منزل بھی، اس میں باطل کے ہتھکنڈے بھی تھے اور اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْا کا یقین بھی، پھر اسی مقصد کو پانے کے لے ملا محمد عمر مجاہدؒ کے جاں نثاروں نے جان کی بازی بھی لگادی اور آپ ﷺ کے اس قول کو سچا ثابت کر دکھایا اور اسلام کا سر فخر سے بلند ہوا۔

* یہ سفر نائن الیون 2001 سے 2021 تک کا سفر تھا۔
* یہ سفر عُسر سے یُسر تک کا سفر تھا۔
* یہ سفر زندان سے لے کر صدارتی محل تک کا سفر تھا۔
* یہ سفر خود کو سپر پاور کہلانے سے لے کر صفر پاور ثابت کرنے کا سفر تھا۔
* یہ سفر اپنوں کے طعنوں اور دشمنوں سے لے کر حیرت و شرمندگی تک کا سفر تھا۔
* اسلامی نظام کے نفاذ کو خیالوں سے لے کر عملی دنیا تک لانے کا سفر تھا۔

جھکی ہوئی تھی۔

اور چودھری فخر زماں آنکھوں میں آنسو لیے کندھے ڈھلکائے بے بسی کے عالم میں بیٹھا تھا۔ ساری چودھراہٹ جانے اس وقت کہاں جاسوئی تھی۔

اب دلاور کو اس کی لکھی گئی وصیت سنائے جانے لگی تھی....

نواز نے منت بھری نظروں سے اماں کی جانب دیکھا، مگر چادر سے جھانکتی ان کی آنسو بھری آنکھوں میں دلاور کے لیے سوائے نفرت کے اور کوئی جذبہ نہیں تھا۔

وصیت سنائی جاچکی تھی... ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر کالا ٹوپ دلاور کے سر پر چڑھایا اور پھر دو سپاہیوں نے اس کو کاندھے سے تھام کر تختۂ دار پر لے جا کر کھڑا کر دیا اور دلاور کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کی۔

جوں ہی دلاور کی زبان سے "لاالہ الااللہ...." کے الفاظ بلند ہوئے، چودھری فخر زماں کے حلق سے دلدوز چیخ نکلی اور وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے صدمے کی حالت میں زمین پر بیٹھتا چلا گیا، ماحول پہ چھایا وحشت ناک سکوت مزید بڑھ چکا تھا۔

جلاد نے لیور کھینچنے کے لیے جوں ہی ہاتھ بڑھایا، چودھری نواز ایک دم کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں جلاد کو رُک جانے کا کہا، جلاد نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔

تمام لوگوں کی امید بھری نظریں چودھری نواز پر مرکوز ہوئی تھیں اور اماں نواز کے ارادے کو بھانپتی حیرت اور صدمے سے چور آواز میں چلائی تھیں "پتر نواز، یہ تیرے باپ اور بھائی کا قاتل ہے۔"

اماں کی بات کو ان سنی کرتا چوہدری نواز تیز قدموں سے چلتا چودھری فخر زماں کے پاس پہنچا تھا اور اس کو نرمی سے کاندھوں سے پکڑ کر سہارا دے کر اٹھایا اور بہتی آنکھوں اور رندھے گلے کے ساتھ بدقت آواز کو بلند کرتے ہوئے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے گویا ہوا:

"آپ سب گواہ رہیے گا، میں اپنے باپ اور بھائی کے اس قاتل کو اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت پر عمل کی غرض سے معاف کرتا ہوں.... جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر بدلہ لینے کی پوری طاقت ہوتے ہوئے بھی اپنے بدترین جانی دشمنوں کے لیے معافی کا اعلان عام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"لَاتَثْرِيبَ عَلَيكُمُ الْيَوْم" آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔

"آج میں بھی اپنے عظیم نبی ﷺ کی اس عظیم سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے دشمن دلاور کو معاف کرتا ہوں۔"

چناں چہ دلاور کو تختۂ دار سے اتار کر اس کے ہاتھ اور پاؤں کھول دیے گئے، وہ پہلے تو دم بخود کھڑا چودھری نواز کو دیکھتا رہا اور پھر اس کے پیروں میں گر کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا، وہ روتا جاتا تھا اور معافیاں مانگتا جاتا تھا، چودھری نواز نے اس کو کندھوں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اس کے بہتے آنسوؤں کو اپنے رومال سے صاف کر کے گلے لگا لیا اور اس کی پیٹھ کو تھپک کر دلاسہ دیتے ہوئے دھیرے سے اس کے کان میں کہا:

"لَاتَثْرِيبَ عَلَيكُمُ الْيَوْم".....!!!!

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

خوشبو کا راستہ

ڈاکٹر الماس روحی

"اے میرے رب! درود اور سلامتی نازل فرما ہمیشہ اپنے پیارے حبیب ﷺ پر جو تمام مخلوق میں افضل ترین ہیں۔ اے اللہ پاک رحمت نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر جو آپ کے بندۂ خاص اور آپ کے رسول، نبی اُمّی ہیں۔ اے اللہ! اپنی رحمت نازل فرما میرے پیارے محمد ﷺ پر جس سے آسمان بھر جائے، زمین بھر جائے اور عرشِ عظیم بھر جائے۔ اے اللہ پاک! تو رحمت نازل فرما ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پر جو صحیح اور غلط کے درمیان فرق کرنے والے، حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والے اوراقِ مصحف کے جمع کرنے والے اور اس قرآن پاک کو آسمان سے اتارنے والے ہیں۔ یااللہ! تو ایسی رحمت نازل فرما میرے آقائے دوجہاں ایسی رحمت کے اس کی برکت سے ہمیں آفتوں اور پریشانیوں سے نجات مل جائے۔ ہماری تمام حاجتیں پوری ہو جائیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری توبہ قبول فرمالے۔ بے شک تو معاف کر دینے کا خوگر اور بڑی رحمت کا مالک ہے تو سننے والا اور ہر ایک کو جاننے والا ہے۔"

محفل میں وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ نہ جانے کیسے اس کے دل کی آواز دعا سن کر اس کی زبان سے نکل رہی تھی۔ آنسوؤں سے چہرہ تر تھا۔ وہ اپنے رب کو پکار رہا تھا۔ اسے یقین تھا اس کا رب اُسے سن رہا تھا۔ قبولیت کی یہ گھڑیاں ہیں، وہ ان گھڑیوں کو پانا چاہتا تھا۔ محفل میں ہر شخص اشک بار تھا۔ وہ ایک پولیس آفیسر رہ چکا تھا۔ رشوت لینے کے جرم میں معطل ہوا۔ وہ ساری سہولتیں اس کی زندگی سے ختم ہو گئیں، جن کا وہ عادی ہو چکا تھا۔ حلال رزق کی خوش بو سے وہ دور اپنی دنیا میں مست تھا۔ وردی کا رعب، عہدے کے غرور نے نرمی، ہم دردی اور ملن ساری جیسی صفات کو ختم کر دیا تھا۔ صبح سویرے جب وہ اپنے بچوں کو صاف ستھرے یونیفارم پہنا کر برینڈڈ کمپنی کے اسکول بیگ اور اسٹیشنری کے ہم راہ اپنی ایئر کنڈیشن گاڑی میں اسکول چھوڑنے جاتا۔ کسی سگنل پر اس کی نگاہ فقیر کے ایسے بچے پر پڑتی جو میلے کچیلے اور پھٹے ہوئے بدبودار کپڑے پہن کر بھیک مانگنے کے لیے اس کی طرف دوڑتا تو وہ نخوت سے اسے دھتکار کر گاڑی گیئر میں ڈال کر آگے بڑھا دیتا، اس کی بے جی (ماں) اسے بہت سمجھاتی۔ "دیکھ پُتر (بیٹا)! تجھے مال اللہ نے دیا ہے تو یہ تیرا امتحان ہے تو غرور نہ کر سر جھکا کر چلا کر۔"

وہ اپنی بے جی کو جب بھی سوٹ کپڑے یا زیور لا کر دیتا بے جی پیار سے کہتی: "مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں پتر (بیٹے)! تیرے پیو (باپ) نے حق حلال کمایا اور کھلایا بس گزارا اچھا سا ہو جاتا ہے۔"

وہ جب بھی بے جی سے ملنے گاؤں جاتا، ایک نئی کار اس کے پاس ہوتی۔ قیمتی کپڑوں میں وہ پہچانا نہ جاتا۔ لوگ اسے سر اہتے تھے۔ اس کی اولاد دو بیٹے اور دو بیٹیاں اور بیوی قیمتی چیزوں میں گم تھے۔ اگر فکر تھی تو سلیم راؤ صاحب کی ماں کو فکر تھی۔

"اے سلیم! اپنے مال، اولاد، گھر پر قناعت کر۔ مال کی کثرت تجھے بہکا رہی ہے۔ بیٹے! یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ کتنے امیر کبیر ایسے ہیں جو کروڑوں، اربوں کے مالک ہیں، مگر سکون حاصل نہیں۔ حویلیاں ہیں، مگر گھر کے سب افراد ایک دوسرے سے بے زار رہتے ہیں۔ اللہ سے مال کی کثرت نہ مانگ، اُس سے برکت مانگ، مال کی کثرت وبال ہے وبال!" آخر ایک دن وہ اپنے عہدے سے ہٹا دیا گیا جو کچھ اس نے کمایا تھا۔ وہ سب حرام تھا، ضبط کر لیا گیا۔ ایک بڑے سے بنگلے سے وہ ایک چھوٹے سے کوارٹر میں آ گئے۔ بیوی اور بچوں کے روّیے سب سے پہلے بدلنے شروع ہوئے۔ بچے اس کے پہلے ہی نافرمان تھے، بیوی زبان دراز، ہر وقت مہنگے اور قیمتی زیور میں ملبوس سجی سنوری وہ عورت رہتی تھی۔ اُسے رہ رہ کر اپنے شوہر پر غصہ آ رہا تھا۔ پھٹے پرانے کپڑے اُسے اپنے وجود پر ذرا نہ اچھے لگ رہے تھے۔ دن رات اسے بیوی بچے طعنے دے رہے تھے۔ نہ جانے کیوں اسے اپنی ماں یاد آ رہی تھی۔ دوست احباب جن کا رات دن کا ساتھ تھا، جو آئے دن اس کے گھر دعوتیں اڑاتے تھے۔ اب اس کی مدد کرنے کے لیے کوئی تیار نہ تھا۔ آخر دل برداشتہ ہو کر وہ اپنی بوڑھی ماں کے قدموں میں جا بیٹھا۔

معمولی سے کپڑوں میں عام سا آدمی سب کو لگ رہا تھا جیسے وہ سب کچھ ہار چکا ہو، گھنٹوں وہ ماں کے پاس سر جھکائے بیٹھا رہا اور آنسو بہاتا رہا۔ "پُتر! میں نے بڑی بڑی کتابیں تو نہیں پڑھیں پر زندگی سے سیکھا ہے تو صبر کر صبر، ایک ایسی شے ہے جو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے بہت وڈا (بڑا) کلیجہ چاہیے۔ پر بڑے اللہ والے لوگوں کی صفت ہے تو اللہ کا چہیتا بن جائے گا تو صبر کر اور مشکلات کا سامنا کر۔ صبر و شکر باقی نعمتوں کو تیرے پاس ایسے ٹھوک کر جمائے گا جیسے اونٹ کی ناک میں نکیل ڈال کر کھوٹا زمین

خوب صورت باغ

ام محمد عبداللہ

یہ جھیل کتنی خوب صورت ہے اور یہ آبشار، ارے یہ غروبِ آفتاب کا منظر تو دیکھو اور یہ پھلوں کا باغ، اُف یہ چہچہاتے پرندے۔" انٹرنیٹ پر دنیا کی خوب صورت جگہیں سرچ کرتے کاشف اور سلمان حسین مناظر کے سحر میں گرفتار تھے۔ 13 برس کا سلمان اور 8 سال کا کاشف دونوں بھائی اور گہرے دوست تھے۔

"میں اس باغ کی سیر ضرور کرنا چاہوں گا۔" کاشف نے جوش سے کہا۔ "اور میں بھی تو اس آبشار کی پھوار میں نہانا چاہوں گا۔" سلمان نے بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ "یہاں تک پہنچنے کے لیے کیا کرنا ہوتا ہے؟" کاشف نے پوچھا۔ "ویزا، پاسپورٹ اور بھی بہت کچھ شاید۔ آؤ! سرچ کرکے دیکھتے ہیں۔" سلمان نے جواب دیا۔ سلمان نے سیر و سیاحت اور ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کی تفصیلات دیکھنا شروع کیں۔ "افففف یہ سب اتنا مشکل ہے؟" کاشف نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

امی جان جو کافی دیر سے ان کی اس سرگرمی سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ کاشف کے قریب آکر کہنے لگیں: "پتا ہے ایک باغ ان ساری جگہوں سے بھی زیادہ خوب صورت ہے۔" کاشف اور سلمان دونوں لیپ ٹاپ چھوڑ کر امی جان کے گرد ہو گئے۔ "کیسا باغ ہے وہ؟" سلمان نے پوچھا۔ "بہت بڑا، بہت خوب صورت، رنگا رنگ پھول، درخت اور پرندے، سہانے موسم، مزے دار کھانے، شہد، دودھ اور شفاف پانی کی نہریں، سونے چاندی کے برتن، دیدہ زیب لباس۔ یہ باغ بہت خوب صورت ہے۔"

"یہ کون سا باغ ہے امی جان؟" کاشف نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ باغ جنت ہے بیٹا۔" امی جان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھا! تو آپ جنت کا کہہ رہی ہیں۔ پھر جنت جانا تو ان ملکوں میں جانے سے بھی زیادہ مشکل ہو گا نا!" کاشف نے افسردگی سے کہا۔ "ارے نہیں پیارے کاشف! ہمارے پیارے رسول خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے ہمیں بتایا ہے جو لا الہ الا اللہ کہے گا، جنت میں داخل ہو گا۔" "سچ امی جان۔" کاشف نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ جی اور لا الہ الا اللہ کہنے کا مطلب ہے کہ اللہ ایک ہے اور ہم نے اس کی ہر بات ماننی ہے۔ اپنی زندگی اس کے حکموں کے مطابق ڈھالنی ہے۔ بس پھر ہم اتنی خوب صورت جنت میں نہ صرف جا سکیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں بسا بھی دیں گے۔" سلمان نے تائیدی نظروں سے امی جان کو دیکھا تو انھوں نے مسکراتے ہو اثبات میں سر ہلا دیا۔

پر گاڑھ دیا جاتا ہے۔ بیوی بچی کو سمجھا، واویلا مچانا اچھا نہیں۔ تکلیف پر صبر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ نئی صبح کی روشنی ضرور ہو گی۔ بس اللہ سے جی لگا لے تو پھر محلات اور باغات کا مالک بنے گا۔ مال کی کثرت میں نہ پڑنا، یہ راستہ حرام کا ہے۔ برکت چاہتا ہے تو راستہ حلال کا اپنا۔ حلال کی چیز نہ کوئی چھینتا ہے اور نہ کھوتی ہے۔ اس میں برکت جو ہوتی ہے۔" ماں کی باتیں اس کے دل پر اثر کر گئیں۔ حرام مال کی لذّت نے اسے بھٹکا دیا تھا۔ وہ معمولی کاموں کی بھی بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا تھا۔ اوپر کی آمدنی کا نشہ ہی اور تھا۔ روپوں کی تجوری بھر رہی تھی اور دل کی تجوری خالی ہو رہی تھی۔ مال کی کثرت نے اس سے سجدے چھین لیے تھے۔ وہ مل کے قریب اور اعمال سے دور تھا۔ وہ گھنٹوں مسجد میں بیٹھا استغفار پڑھتا رہتا۔ مسجد سے جڑا تو اچھی صحبت بھی ملی۔ مسجد کے مؤذن قاری نعمت اللہ اسے سمجھا رہے تھے۔ "زندگی میں تاریکی روشنی میں بدلی جا سکتی ہے۔ آج کی نماز خشوع و خضوع والی پڑھیں۔ آج کا قرآن شوق کے ساتھ تلاوت کریں۔ آج کسی کی مدد مخلوق کی آسانی کی نیت سے کریں۔ یقیناً آسانی ہو گی۔" پھر وہ اپنے رب کو منانے میں لگ گیا۔ اس کا زیادہ وقت مسجد میں گزرتا۔ وہ نماز کا پابند ہوتا چلا گیا۔ اب اسے حلال رزق چاہیے تھا۔ اس نے رزقِ حلال کمانے کے لیے اپنے علاقے میں کریانہ اسٹور کھول لیا، جب فارغ ہوتا تو قرآن پڑھتا۔ اللہ نے برکت دی اور اولاد بھی سمجھ دار ہوتی چلی گئی، اس کی بیوی عقیلہ جب اس سے شکوہ کرتی "پولیس کی نوکری بہتر تھی کتنے اچھے دن تھے وہ جب دنیا کی ہر چیز تم نے ہمارے قدموں میں ڈال دی تھی۔" وہ گردن جھکا لیتا۔ "برے ماضی کو بھولنے کی کوشش کرنا چاہیے۔"

"تم کیا کہتے ہو جو کیا ہم پہلے جیسی زندگی گزار سکیں گے؟" وہ بے چینی سے پوچھتی۔

"تمھیں جو نعمتیں موجود ہیں، ان پر شکر کرنا چاہیے۔" اس کی بیوی خاموش ہو گئی۔ "دیکھو! یہ ضروری تو نہیں اگر کل روٹی سوکھی کھانے کو ملی تھی، آج اور آنے والے کل بھی وہی ملے گی، ہو سکتا ہے آنے والا کل تمھیں ٹھنڈا اور میٹھا پانی پلا دے، سوکھی ہوئی روٹی کی جگہ لذیذ ترین کھانے نصیب کرے، بے شک! عقیلہ ماضی کی گزری ہوئی راحتوں کو یاد کرنا آسان نہیں، لیکن بھلا دینا چاہیے کیوں کہ جو گزر گیا سو گزر گیا۔" بیوی بچے اس کی باتوں کو غور سے سن رہے تھے۔ گھر کی ڈگر بدل چکی تھی۔ وہ درود شریف پورے ذوق و شوق اور لگن سے پڑھتا۔ مسجد کے مولانا اسے بتا رہے تھے۔ "یہ عمل دل کی صفائی و پاکی کے لیے بہت مجرّب ہے۔ اس عمل سے روح خوش بودار، دل نورانی اور دماغ ٹھنڈا، وجود پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ خوش بو کا راستہ اپنایا، 6 ماہ میں وہ اور اس کی بیوی بچے بدل چکے تھے۔ زندگی اس پر آسان اور راحت والی ہو چکی تھی۔ زندگی کے تمام راستے صاف و روشن اور ہم وار ہوتے جا رہے تھے۔ اب اس کے بچے فرماں بردار تھے۔ بیوی اور بیٹیاں بھی باپردہ ہو چکی تھیں۔ بے جی اس کے سفید بے داغ عطر کی خوش بو سے مہکتے کپڑے اور سر پر سفید ٹوپی پہنے دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھیں۔ "پُتر! یہی راستہ کام یابی کا ہے۔ تیرے رزق میں اضافہ، غربت کا خاتمہ دل کو جو تسکین اسی راستے پر چل کر مل سکتی تھی تو یہ راستہ نہ چھوڑنا۔ تجھے پیارے نبی ﷺ کی محبت حاصل ہو گئی۔ خواب میں ان کی زیارت ہو گی۔ مال تیرا بڑھے گا اور برکت تجھے حاصل ہو گی۔ مخلوق سے تجھے عزت ملے گی۔ دنیاوی عہدہ مرتبہ چلا گیا تو کیا تو کریانہ اسٹور میں بیٹھ کر چمکے گا۔" ماں کی دعا تھی، نصیحتیں تھیں کہ سلیم راؤ آج محفل میں بیٹھے دعا کروا رہے تھے۔ لوگ ان کی ہر دُعا پر "آمین" کہہ رہے تھے۔

کیڑے

فوزیہ خلیل

عکاشہ بہت دیر سے بستر کے نیچے جھانک رہا تھا۔ وہ اتنا محو تھا کہ اُسے احساس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ سب اس کو دیکھ رہے ہیں۔

"عکاشہ بیٹا بستر کے نیچے کیا ہے؟" چاچو نے زور سے کہا۔ عکاشہ نے منہ موڑ کر انھیں دیکھا۔

"چاچو نیچے چیونٹیاں ہیں۔ بہت ساری چیونٹیاں۔ ایک دم سیدھی قطار ہے۔ سیدھی اور لمبی۔" اُس نے جواب دیا اور پھر دوبارہ نیچے دیکھنے لگا پھر اُس نے منہ دوبارہ اٹھایا۔ "چاچو دراصل چیونٹیاں بہت چھوٹی ہوتی ہیں ناں! ! تو انھیں بہت غور سے دیکھنا پڑتا ہے۔"

"کیا تم جانتے ہو کچھ جاندار چیونٹیوں سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں، اگر تم ایک انچ کے سو حصے کر دو تو ایک جاندار بنتا ہے چھوٹا سا۔" چاچو بولے۔

"اچھا!" عکاشہ حیرت زدہ رہ گیا۔ "ہاں، یہ انتہائی چھوٹے جاندار ہوتے ہیں یہ تالابوں، جھیلوں وغیرہ میں ملتے ہیں۔ ان کو آنکھ سے تو دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ ان کو دیکھنے کے لیے خوردبین کی ضرورت پڑتی ہے۔" چاچو بولے۔

"اُن اتنے باریک کیڑوں کے نام تو بتائیے۔" وہ بولا۔

"امیبا (Ameoba) پیرامیشیم بہت سے نام ہیں۔" چاچو نے جواب دیا۔

عکاشہ بستر کے نیچے سے باہر نکل آیا اور چاچو کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"چاچو کیا کیڑے مکوڑے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔"

"ہاں بیٹا! دنیا میں بے تحاشا کیڑے مکوڑے پائے جاتے ہیں۔ باقی جانور اور پرندوں کی تعداد تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، کیا تم کچھ کیڑے مکوڑوں کے نام بتا سکتے ہو؟"

"تتلی، پتنگا، جگنو، لال بیگ، چیونٹیاں، مکڑیاں، مکھیاں۔" عکاشہ سوچتے ہوئے بولا پھر کہنے لگا۔

"چاچو جگنو، مجھے بہت پسند ہے۔ رات کے وقت اگر جگنو کو اڑتا ہوا دیکھو تو یہ کس قدر بھلے معلوم دیتے ہیں۔ میری ٹیچر کہتی ہیں کہ اگر چالیس پچاس جگنو اکٹھے ہوں تو اس کی روشنی میں آپ پڑھ سکتے ہیں۔"

"ہاں بیٹا! جگنو کی دو ہزار کے قریب اقسام پائی جاتی ہیں۔" چاچو بولے۔

"چاچو! کیا ہم جگنو کو پکڑ سکتے ہیں۔ میرا بہت دل چاہتا ہے جگنو کو پکڑنے کا۔" عکاشہ بولا۔

"جگنو کو پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ آسانی سے نہیں پکڑا جاتا۔ یہ اپنے دشمن کو دیکھتے ہی چمکنا بند کر دیتا ہے۔"

"اوہ! چاچو یہ کیا کھاتا ہے۔"

"یہ گوشت خور جانور ہے۔ یہ دوسرے کیڑوں کا شکار کرتا ہے، اس کا انداز بہت ہی منفرد اور عجیب سا ہے۔ جگنو کے اندر ایک طرح کا زہر ہوتا ہے، یہ اپنے شکار کے قریب پہنچ کر اپنی مونچھوں سے وہ زہر اس کے اندر داخل کر دیتا ہے۔ اس طرح شکار بے جان ہو جاتا ہے۔ زہر کی وجہ سے شکار کا جسم گلنے لگتا ہے اور وہ محلول کی طرح ہو جاتا ہے اور پھر یہ جگنو یہ پی جاتا ہے۔"

"اوہ! کتنی عجیب بات ہے۔" عکاشہ بولا۔

"تم نے پتنگے اور تتلیاں دیکھی ہیں، یہ آپس میں بہت ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ پتنگوں کی ایک ہزار سے زائد اقسام ہوتی ہیں۔" چاچو بولے۔

"ہاں چاچو! میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا، پتنگے کی زندگی کا طریقہ تتلی سے ملتا جلتا ہے۔ یہ دونوں ہی پودوں کے پتوں پر انڈے دیتے ہیں۔ مہینے بھر بعد ان انڈوں سے لاروا (Larva) نکلتے ہیں، جنھیں ہم سنڈیاں بولتے ہیں۔"

"ہاں بیٹا! یہ پوری ایک لائف سائیکل (Lift Cycle) کہلاتی ہے، پھر آگے بتاؤ انڈے لاروے میں بدل جاتے ہیں پھر کیا ہوتا ہے؟" چاچو نے دریافت کیا۔

عکاشہ نے خوش ہو کر تیز تیز بولنا شروع کیا۔

"یہ سنڈیاں یعنی (Larva) سب سے پہلے جو خوراک استعمال کرتی ہیں، وہ اپنے انڈوں کے چھلکے ہیں۔"

"اور پھر بعد میں؟"

"بعد میں یہ سنڈیاں پودوں کے پتوں وغیرہ سے خوراک حاصل کرتی ہیں، پھر تقریباً دو مہینے لگتے ہیں اور یہ (Larva) تبدیل ہو جاتے ہیں اس کی یہ نئی شکل پیوپا (pupa) کہلاتی ہے۔"

عکاشہ نے جلدی جلدی بتانا شروع کیا۔

"شاباش، تم نے بالکل درست بتایا ہے۔ انڈے سے لاروا اور پھر لاروے سے پیوپا بننے میں کئی ماہ لگ جاتے ہیں اور پھر بالآخر یہ پیوپا ایک ننھا سا پتنگا بن جاتا ہے۔"

عکاشہ اور چاچو یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ خزیمہ بھی وہاں آبیٹھا۔

"چاچا میں نے پڑھا تھا کیڑوں کی تعداد انسانوں کے مقابلے میں اتنی زیادہ ہے کہ ہر ایک انسان کے مقابلے میں تقریباً دو سو ملین کیڑے مکوڑے ہیں۔" خزیمہ نے کہا۔

"اُف! ! ! اتنے زیادہ، میں سوچ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے کیڑے مکوڑے کیوں بنائے ہیں؟"

"دیکھو بیٹا! اللہ کی بنائی ہوئی کوئی بھی شے بے مقصد اور بے کار نہیں۔ اگر ہم دنیا سے کیڑے مکوڑے یعنی مکھیاں وغیرہ ختم کر دیں۔ تو دنیا میں مردہ جانوروں، گلے سڑے پتوں وغیرہ کے ڈھیر لگ جائیں۔" چاچا نے جواب دیا۔

"اوہو!" عکاشہ سوچنے لگا کہ یہ ننھی منی چیونٹیاں یہ مکھیاں وغیرہ سب ہمارے کام کی ہیں۔ ننھی منی چیز بھی اللہ کے کارخانے میں بے کار نہیں۔

چوزا اور بلی

آسیہ علی

اِک دن اقصیٰ لائی چوزا
پیلا کالا اور تھا بھورا
چوں چوں کرتا شور مچائے
سارے گھر میں دوڑ لگائے
روٹی چاول یا ہو کیلا
سب سے لے کر کھائے اکیلا
دانہ دنکا جو بھی پایا
سب کچھ ہی بس اُس نے کھایا
ایمن کی بلی نے دیکھا
بھورا چوزا تو یہ سوچا!
کیسے کھاؤں میں اب اِس کو
ہائے ہے کتنا موٹا چوزا
اِک دن بھورا باہر نکلا
آ کر بیٹھا جو ٹھنڈی جگہ
بلی نے پھر جھپٹا مارا
بن گیا وہ بلی کا کھانا

یتیموں کا سائبان
بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے
تعاون سے آئیں اس نیک کام
میں ہمارا ساتھ دیں

Address:
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

ضروریات:

- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ
- اسکول مارک شیٹ /اسکول کارڈ

شرائط:

- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

+92 333 4632340 | +92 021 35290156

راجو اور چونو

سمیرا انور

پیارے بچو! کسی بستی میں ایک ننھا راجو چوزہ رہتا تھا۔ راجو بہت معصوم اور بھولا بھالا تھا۔ کوئی اسے کچھ بھی کہتا وہ سوچے سمجھے بغیر اس پر یقین کر لیتا۔ اس کے اس بھولے پن کی وجہ سے اس کی امی بہت پریشان رہتی تھیں، کیوں کہ کوئی بھی اس کی معصومیت کا فائدہ اٹھا کر اسے نقصان پہنچا سکتا تھا۔ ننھے راجو کا صرف ایک ہی دوست تھا، جس کا نام، چونو تھا۔ چونو بھی ایک چھوٹا سا چوزہ تھا۔ چونو اپنے دوست راجو کے برعکس بہت سمجھ دار اور چالاک تھا۔ راجو کی امی اسے چونو کے ساتھ ہی کھیلنے کی اجازت دیتی تھیں کیوں کہ چونو اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔

ایک دن انھوں نے بستی سے کچھ فاصلے پر موجود پہاڑ کی سیر کا ارادہ باندھا۔ چونو نے راجو کی امی سے اجازت لے لی اور دونوں خوشی خوشی پہاڑ کی طرف چل پڑے۔

"میرے دوست! ایک بات جو تمہیں یاد رکھنی ہے، وہ یہ کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑنا۔" چونو کی بات سن کر راجو نے وعدہ کیا کہ وہ بالکل ایسا ہی کرے گا۔

پہاڑ کے دامن میں نرم نرم گھاس اگی ہوئی تھی۔ ہر طرف ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ پانی کا ایک چشمہ بھی تھا۔ وہ کافی دیر کھیلتے رہے۔ اس کے بعد کچھ دیر ستانے کے لیے دونوں لیٹ گئے۔

چونو کو جلد ہی نیند آ گئی اور وہ خوابِ خرگوش کے مزے لینے لگا۔ ننھا راجو خاموشی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے بالکل بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے۔ ڈر کے مارے وہ کانپنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کا شک صحیح نکلا، وہ ایک شکاری کتا تھا، جس کا سانس پھولا ہوا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ وہ بے صبری سے ان پر جھپٹنے کے لیے تیار ہے، مگر ابھی وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل تھے۔ راجو نے جلدی سے چونو کو جگایا اور ساری صورتِ حال بتائی۔

"تم نے تیز دوڑنا ہے اور میرا ساتھ دینا ہے، جس طرف میرا رخ ہوگا، تم نے اسی طرف بھاگنا ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو وہ باآسانی ہمارا شکار کر لے گا۔" چونو کی بات سن کر راجو نے سر ہلایا اور اس کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگا۔ شکاری کتے نے بھی ان کے پاؤں کی تھاپ سن لی تھی اور وہ بھی اسی طرف دوڑنے لگا جس طرف وہ دونوں بھاگے تھے۔

"دیکھو، رک جاؤ! میں تمہیں کھانا نہیں چاہتا، بل کہ تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں، کیوں کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو۔" شکاری کتے کی پیچھے سے آواز آئی۔

"ارے اس کی باتوں میں نہ آنا کیوں کہ وہ ہمیں کھانا چاہتا ہے۔" چونو نے راجو کے پاؤں کی رفتار رُکتے دیکھ کر چلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی لگتا ہے کہ ہم راستہ بھول رہے ہیں۔" راجو نے پریشانی سے کہا۔

"نہیں بالکل نہیں۔ وہ ہمیں ورغلا رہا ہے۔ تم تیز قدم اٹھاؤ، ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارا شکار کر لے۔" چونو کی بات سن راجو گھبرا گیا اور پہلے سے تیز بھاگنے لگا۔ کچھ لمحوں بعد دونوں اپنے گھروں کے سامنے تھے، جہاں ان کی مائیں بے تابی سے ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

"میرے دوست تمہارا بہت شکریہ، آج تم نے میری جان بچا لی، ورنہ میں اس شکاری کے ہاتھوں ضرور مارا جاتا۔" راجو کو اپنی دوستی پر فخر محسوس ہوا۔

"بیٹا! اسی لیے تمہیں سمجھاتی تھی کہ ہمیشہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا کرو۔ مجھے امید ہے کہ اس واقعے سے تم نے یہ بات سیکھ لی ہوگی کہ بغیر سوچے سمجھے نہ تو کسی کی بات کا یقین کرنا ہے اور نہ ہی اعتبار کرنا ہے۔" راجو کی امی نے ساری بات سن کر اسے نصیحت کی۔

"جی بالکل امی جان! اور دوسری بات یہ بھی سیکھی ہے کہ اچھے اور مخلص دوست ہر کسی کو نہیں ملتے، اس لیے ان کی قدر کرنی چاہیے۔" راجو نے چونو کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر سب مسکرا دیے۔

اقتدار پانے کے بعد نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل

انبیائے علیہم السلام کا مزاج ہے، جب نبوت کا اقتدار غالب ہوتا ہے تو وہ امن کا اعلان کرتے ہیں۔ عزت والوں کی عزت کی داشت کرتے ہیں اور جو پست ہیں ان کو ابھارتے ہیں، تاکہ سب عزت میں شریک ہو جائیں اور کسی کی تذلیل اور رسوائی نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس برس کی زندگی کے بعد جب مدینہ طیبہ سے تشریف لائے اور فاتحانہ مکہ کے اندر داخل ہوئے تو دس ہزار صحابہ کا لشکر ساتھ تھا۔ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہیں۔ بادشاہ ایسے مواقع پر اقتدار جتلاتا ہوا اور اینٹھتا ہوا داخل ہوتا ہے، لیکن حضور ﷺ داخل ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ تواضع اور خاکساری کی وجہ سے گردن مبارک اونٹنی کی گردن پر جھکی ہوئی تھی، چوں کہ عزت کے ساتھ داخلہ ہوا ہے تو اللہ کی عزت پیشِ نظر تھی۔ اس لیے غایتِ تواضع اور ان کساری کی وجہ سے سر مبارک اتنا جھک گیا تھا کہ اونٹنی کے سر کو آملا تھا۔ تو انبیا کا داخلہ تو اس شان سے ہوا۔ سلاطین داخل ہوتے ہیں تو آکڑتے ہوئے داخل ہوتے ہیں، پھر سلاطین عزت والوں کو ذلیل بناتے ہیں، پستوں کو اور پست کرتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام کا مزاج یہ ہے کہ آپ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ داخل ہوئے تو جگہ جگہ امن کا اعلان فرمایا۔ مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِن۔ ابو سفیان کے گھر میں جو چلا جائے گا اسے بھی امن ہے۔ مَنْ دَخَلَ لْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَهُوَ اٰمِن جو مسجد حرام میں چلا جائے گا، اسے بھی امن ہے۔ مَنْ اَغْلَقَ بَابَهٗ فَهُوَ اٰمِن جو اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کرے گا، اس کے لیے بھی امن ہے۔ غرض امن کا اعلان عام ہوتا جا رہا ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام، ص: 451، ج: 4، مولانا قاری محمد ادریس)

اچھا ساتھی

نفیسہ سعید

"تم بہت کالے ہو میں تم سے دوستی نہیں کر سکتا۔" عرفان کے الفاظ تھے یا کوئی جلتا ہوا انگارہ، جس نے حامس کو سلگا دیا۔ اس نے شرمندگی سے یہاں وہاں نظر دوڑائی عرفان کے ساتھ کھڑے اس کے دوست بھی حامس کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ حامس شرمندہ ہو کر وہاں سے ہٹ گیا اور تھکے تھکے قدموں سے اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ گھر جاتے ہی اس نے اپنا اسکول بیگ صحن میں رکھی کرسی پر پٹخا اور کمرہ میں جا کر بستر پر اوندھے منہ گر گیا، شرمیلا کچن میں کھانا بنا رہی تھی، جب اس نے بیٹے کو اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تو بیٹے کے پیچھے ہی اس کے کمرہ میں آگئی۔ شرمیلا نے دیکھا حامس الٹے منہ بستر پر پڑا رو رہا تھا۔ وہ بنا پوچھے ہی ساری بات سمجھ گئی۔ حامس جب سے سیکنڈری اسکول گیا تھا، روزانہ ہی پریشان سا گھر واپس آتا، جس کی وجہ اس کی کلاس کے بچے تھے، جو ہر وقت حامس کی کالی رنگت کا مذاق اڑاتے اور وہ شرمندہ ہو جاتا۔ شرمیلا کو روز ہی اپنے بیٹے کو سمجھا بجھا کر اسکول بھیجنا پڑتا کیوں کہ اس صورتِ حال نے اسے پڑھائی اور اسکول سے بدظن کر دیا تھا۔ حامس کو دیکھتی شرمیلا بستر پر اس کے قریب جا بیٹھی اور پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"ایسے کیوں پڑے ہو بیٹا! جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر کھانے کے لیے آجاؤ، میں نے آج تمہارا پسندیدہ قیمہ مٹر بنایا ہے۔"

ماں کی بات سن کر حامس بستر پر اٹھ بیٹھا۔ "میں نے کل سے اسکول نہیں جانا۔" حامس کا لہجہ بالکل اٹل تھا۔

"دیکھو بیٹا! میں پھر وہی پرانی بات دہراؤں گی، تمہارے اسکول نہ جانے کا نقصان صرف تمہیں ہوگا۔"

"پھر میں کیا کروں؟" حامس نے بے بسی سے سوال کیا۔

"کلاس کے سارے بچے میرا مذاق اڑاتے ہیں، وہ سب مجھے کالا کالا کہہ کر چھیڑتے ہیں۔"

"چھیڑنے دو، بلکہ تم ایسا ظاہر کرو جیسے ان کی باتوں سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا، ایسے بچوں پر تم توجہ ہی نہ دو۔" شرمیلا نے پیار سے بیٹے کا ہاتھ تھام کر اسے سمجھانا شروع کیا۔

"شکل و صورت، رنگ و روپ، قد کاٹھ سب عارضی چیزیں ہیں، اس دنیا میں رہ جانے والی اگر کچھ باقی رہ جانے والا ہے تو وہ تمہارا اخلاق اور کام یابی جس کے بل بوتے پر تم ان مذاق اڑاتے بچوں کی زبانیں بند کر سکتے ہو۔ اس لیے تم ان سب فضول باتوں سے توجہ ہٹا کر صرف اپنی پڑھائی کی جانب توجہ دو اور کوشش کرو کہ اپنی محنت کے بل بوتے پر کلاس کے ٹاپ بچوں میں شامل ہو جاؤ، پھر دیکھنا تمہارا رنگ و روپ کسی کو دکھائی نہیں دے گا اور ہر بچہ تم سے متاثر نظر آئے گا۔" حامس نے غور سے اپنی امی کی ساری باتیں سنیں اور ان پر آج سے ہی عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا، کھانا کھاتے ہی وہ اپنا اسکول بیگ لے کر بیٹھ گیا سب سے پہلے اسکول کا ہوم ورک مکمل کیا، اس کے بعد آج ملنے والے والا کام ساتھ کے ساتھ یاد کرنا شروع کر دیا۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا، حامس اپنی کلاس کے بچوں کی تمام باتیں نظر انداز کرتا آگے کی جانب بڑھتا چلا گیا، اسے اب کسی بچے سے دوستی کی کوئی خواہش نہ تھی، وہ اپنے وقت پر اسکول جاتا اور گھر واپس آکر اسکول کا کام کرتا۔ اپنا سبق یاد کرتا۔ یہاں تک کہ سالانہ امتحانات کا وقت آگیا۔

حامس نے دن رات خوب محنت کی اور جب نتیجہ آیا اس نے چھٹی جماعت میں اپنے پورے اسکول میں ٹاپ کیا تھا۔ اس کی اس شاندار کام یابی کو اسکول اور خاندان کے علاوہ محلّہ میں بھی خوب سراہا گیا۔ خاندان کا ہر فرد اپنے بچوں کو حامس کی مثال دینے لگا جو ہر سال اسکول میں ٹاپ کرکے پوزیشن ہولڈر بچوں میں شامل ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ عرفان اور اس کے دوست بھی حامس سے متاثر نظر آنے لگے تھے، اب کلاس کا ہر بچہ حامس سے دوستی کا خواہاں تھا، مگر حامس اپنی پڑھائی میں اتنا مشغول ہو چکا تھا کہ اسے اب کسی دوست کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ سوائے کتاب کے جو وقت کے ساتھ اس کی بہترین ساتھی ثابت ہو رہی تھی اور اسی ساتھی کی بدولت آج حامس شہر کا بہترین سرجن بن چکا تھا۔ اب کسی کو اس کی کالی رنگت بری نہ لگتی بلکہ ہر شخص اس کی محنت اور کام یابی کی مثال دیا کرتا تو پیارے بچو سب یہ ہے کہ ظاہری شکل و صورت کوئی معنی نہیں رکھتی، اصل اہمیت ہمارے کردار اور ان خوبیوں کی ہے جن کی بنائی پر لوگ ہمیں پہچانتے ہیں اور ہماری عزت کرتے ہیں۔

ہم شترمرغ جیسے!!!

ہماری مثال شتر مرغ کی سی ہے، جس کے متعلق ایک ضرب المثل ہے کہ جب اس سے اُڑنے کو کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں شتر ہوں، بھلا اُونٹ بھی اُڑ سکتا ہے۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ باربرداری کر، تو کہتا ہے کہ میں مرغ ہوں، باربرداری کیسے کروں۔ ہم لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ جب اعمال کرنے کا ذکر آتا ہے تو ہم لوگ چودھویں صدی کے رہنے والے ناکارہ اور ضعیف بن جاتے ہیں، بھلا صحابہ کرام جیسے اعمال ہم سے کہاں ہو سکتے ہیں وہ قوی لوگ تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والے تھے، وہ خیر القرون کے افراد تھے، بھلا ہم ان کی کیا حرص کر سکتے ہیں۔ دنیادار ہیں، دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں، مجبوریاں ساتھ ہیں، لیکن جب ان حضرات کی ترقیات کا ذکر آتا ہے ان کے ملکوں پر فتح اور قبضہ کا ذکر آتا ہے ان کی عزت و وجاہت کا سماں بندھتا ہے تو ہم بھی مسلمان ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں، صحابہ کے جانشین ہیں اور ترقیات میں ان کی ہم سری کے خواب دیکھنے لگتے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ ایسے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے، اگر ہمیں ان ترقیات کی اُمنگ ہے تو ان کے سے اعمال کرکے ان ثمرات کا امیدوار بننا چاہیے، لو بیا بو کر سیب کا پھل آنے کی اُمید کرنا سراسر حماقت ہے۔

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی تحریر سے رشید محمود کا انتخاب)

تحفہ

قرۃ العین خرم ہاشمی

علیزے نو سال کی بہت پیاری اور سلجھی بچی اپنے دادا جان کی بڑی سی حویلی میں رہتی تھی۔ حویلی میں اور بھی بہت سے خاندان آباد تھے۔ علیزے اپنے سب ہم عمر کزنوں میں سب سے زیادہ سمجھ دار تھی۔ علیزے کو اپنی اکلوتی خالہ فاطمہ سے خاص محبت تھی جو دوسرے شہر میں رہتی تھیں۔ فاطمہ خالہ نے اسلامیات میں ماسٹرز کیا تھا اور اب وہ ایک مشہور تعلیمی ادارے میں بچوں کو پڑھا رہی تھیں۔ علیزے کو ان کی آمد کا بہت شدّت سے انتظار تھا، کیوں علیزے کو ہمیشہ فاطمہ خالہ کی طرف سے بہت خاص اور سب سے الگ تحفہ ملتا تھا۔

علیزے جب بھی فاطمہ خالہ سے بات کرتی تو بے تابی سے سوال کرتی۔ ”فاطمہ خالہ! آپ میرے لیے کیا گفٹ لائیں گی؟“ علیزے سوال کرتی تو فاطمہ خالہ ہنس پڑتی۔

”میری جان! بہت زبردست اور نایاب گفٹ۔“ فاطمہ خالہ نے نرمی سے کہا۔

”کیا آپ میرے لیے گڑیا لائیں گی؟ یا ڈول ہاؤس؟ یا پھر۔۔۔“ علیزے سوچنے لگی۔

”جو بھی ہو گا آپ کو ضرور مل جائے گا۔“ فاطمہ خالہ نے نرمی سے کہا۔

ملک کے حالات اچانک بہت عجیب ہو گئے، ہر طرف لاک ڈاؤن لگ گیا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہو کر رہ گئے۔ بچے سب سے زیادہ مرجھا کر رہ گئے تھے، جو آزاد فضاؤں میں اڑنے کے عادی تھے۔ وہ اب بند گھروں اور بند جگہوں میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔

ایک دن صبح کے وقت پوسٹ مین آیا۔ علیزے کے پاپا نے جب پیکٹ وصول کیا تو بھیجنے والے کا نام دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ علیزے کے لیے تحفہ ہے جو اس کی فاطمہ خالہ نے بھیجا تھا۔ علیزے کے پاپا نے اسے بلایا اور جب فاطمہ خالہ کے بھیجے گفٹ کے بارے میں بتایا تو علیزے بہت پرجوش ہو گئی۔

”بابا! اسے جلدی سے کھولیں۔“

علیزے نے کہا۔ دادا جان اور دادی جان بھی پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ علیزے کے پاپا نے پیکٹ کھولا تو اس میں ایک بہت خوب صورت کور والی کتاب نکلی۔

”یہ پریوں کی کہانی ہے نا؟“ علیزے نے خوشی سے سوال کیا تو دادا جان نے کتاب ہاتھ میں پکڑ کر نفی میں سر ہلایا۔

”پھر؟ سینڈریلا کی؟“ علیزے نے اگلا سوال کیا۔

”نہیں! اس کتاب میں بچوں کے لیے بہت پیاری پیاری اسلامی کہانیاں ہیں، جس میں بچوں کو مختلف دعائیں بھی سکھائی گئیں ہیں۔“

دادا جان نے کتاب کو کھول کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔“ علیزے سوچ میں پڑ گئی۔

”میں اس کتاب میں سے ہر روز ایک کہانی پڑھ کر سب بچوں کو سناؤں گا۔ دیکھتے ہیں سب سے پہلے دعائیں کون یاد کرے گا۔“

دادا جان نے کہا تو علیزے کے ساتھ ساتھ باقی بچے بھی پرجوش ہو گئے۔ پھر اگلے دن رات سونے سے پہلے بیٹھک میں محفل لگی۔ دادا جان نے پہلی کہانی پڑھی، جس میں بچوں کو قرآن پاک میں سے ایک دعا سکھائی گئی تھی۔

اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔ (طٰہٰ:411)

پیارے بچو! یہ پیاری دعا ساری زندگی آپ کے کام آئے گی۔ اسے سب بچے زبانی یاد کر لیں۔ ان شاء اللہ، اس دعا کی بر کت سے اللہ آپ کے لیے علم کا راستہ کھول دے گا۔“ دادا جان نے کہا تو سب بچے جلدی جلدی دعا یاد کرنے لگے۔

”شاباش! اب سونے سے پہلے بھی یہ دعا دہراتے رہنا۔ کل دوسری کہانی سنانے سے پہلے سب بچوں سے یہ دعا سنوں گا، پھر ہم اگلی کہانی کی طرف چلیں گے۔“

دادا جان نے کہا۔ علیزے سب بچوں سے زیادہ خوش تھی کیوں کہ اس کی فاطمہ خالہ نے ایک نایاب تحفہ بھیجا تھا، جو آج سے پہلے اسے کسی نے نہیں دیا تھا اور یہ تحفہ ساری زندگی اس کے ساتھ رہنے والا تھا۔ یہ تحفہ نہ تو خراب ہو سکتا تھا اور نہ ہی گم۔ علیزے نے فاطمہ خالہ کو جب فون کر کے شکریہ کہا تو وہ مسکرا دیں۔

”علیزے گڑیا! دعاؤں کا یہ خاص تحفہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ تمہاری حفاظت کرے گا۔“

فاطمہ خالہ نے نرمی سے کہا تو علیزے نے مسکراتے ہوئے سر ہلا یا تھا۔

”فاطمہ بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔ انھوں نے بچوں کو بہت خوب صورتی سے دعا کا راستہ دکھایا ہے۔“

دادا جان نے کھلے دل سے سراہا۔ علیزے کی امی اپنی بہن کی تعریف سن کر بہت خوش ہو رہی تھیں۔ دعاؤں کی یہ کتاب حویلی کے بچوں کی زندگی میں بہت پیاری تبدیلی لے آئی تھی، جو ساری زندگی ان کے کام آنی تھی۔ اس لیے دعا سے پیارا اور ان مول تحفہ کوئی نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ ساتھ رہتی ہے۔

آؤ چاند ستارے بچو!

ایوب اختر

آؤ چاند ستارے بچو
لے لو جواہر پیارے بچو
سن لو اچھی اچھی باتیں
باتیں ہیں یہ بالکل سچی
بات ہمیشہ اچھی کہنا
بہتر ورنہ چپ ہی رہنا
جب بھی دستر خوان پہ جاؤ
بسم اللہ تم پڑھ کر کھاؤ
پیٹ ذرا سا رکھنا خالی
بات بڑی یہ حکمت والی
اپنے یاروں، پیاروں کے گھر
ٹھیک نہیں ہے جانا اکثر
قدر گھٹائے روز کا جانا
دل سے مت یہ بات بھلانا
سخت گناہ ہے غیبت کرنا
اور الزام کسی پر دھرنا
سچ کی راہ پہ اختر چلنا
وقت کے سانچے میں مت ڈھلنا

بچوں کے فن پارے

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے
گزشتہ مہینے منیبہ ایوب کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

عائشہ گوہر، فیڈرل گورنمنٹ اسکول اسلام آباد

مریم سمیع دارار قم اسکول کراچی

آمنہ احسان الائڈا اسکول فیصل آباد

عائشہ جنید، معہد الخلیل کراچی

نسرین 5، الائڈا اسکول کراچی

محمد مصطفیٰ تھری، الائڈا اسکول کراچی

سمیر انور دین چہارم، ایم ایس اسکول کراچی

یسری فرقان البدر اسکول، کراچی

پیارے بچو!

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ یہ عیسوی سال کا آخری مہینا ہے۔۔۔۔اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام مذہبی معاملات قمری اور ہجری تاریخوں اور مہینوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ البتہ دنیا کے نظام کے ساتھ چلتے ہوئے دیگر معاملات عیسوی لحظ سے چل رہے ہیں۔

نیا شمسی اور عیسوی سال آنے والا ہے۔ لوگ نئے سال کی آمد پر غل غپاڑا مچاتے ہیں۔ اندھا دھند فائرنگ، مبارک سلامت کا شور اٹھتا ہے، رنگا رنگ تقریبات ہوتی ہیں، دعوتیں اور پارٹیاں ہوتی ہیں۔ یہ موقع خوشیاں منانے کا نہیں، نہ ہی مسلمانوں کو ایسا کرنا چاہیے۔ غیروں کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے ہم بہت کچھ کر جاتے ہیں اور جو کرنے کام ہے وہی نہیں کیا جاتا۔

کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں، دینی، مذہبی معاملات بھی دیکھیں، ایک دوسرے سے اپنا برتاؤ اور رویے بھی دیکھیں۔ دوسروں کا دل دکھانا چھوڑ دیں، دوسروں کا برا چاہنا، انہیں نقصان پہنچانا، ان کی غیبت کرنا، دنگا فساد مچانا یہ سب بری حرکتیں ہیں، انہیں چھوڑنا چاہیے۔

کسی کے حق میں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اس سے فوراً معاف کروالینا چاہیے، اس کے لیے سال ختم ہونے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ لوگ رسمی طور پر ہر سال کے آخر میں معافی کے میسج کر دیتے ہیں اور اگلے روز وہی ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنا رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کے حقوق ہوں یا بندوں کے، انہیں پورا کرنا چاہیے۔ اپنا محاسبہ بھی روزانہ کرنا چاہیے۔ ہر اچھے کام کرنے کا عہد کرنا چاہیے ہر برا کام چھوڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی میں بھلائی ہے اور یہی کامیابی ہے۔ امید ہے سارے بچے ان باتوں پہ خوب غور کریں گے اور ان پر عمل کی بھی کوشش کریں گے۔

ٹھیک ہے نا!!!

دسمبر 2021ء کے سوالات

سوال نمبر 1: اللہ تعالی کسے الیکٹرک شاک دے کہ متوجہ کرتا ہے۔

سوال نمبر 2: جانور کے کراہنے کی آواز کس کو سنائی دی۔۔۔؟

سوال نمبر 3: جنگ یمامہ میں شہید ہونے والے حفاظ اور علماء کی تعداد کتنی تھی؟

سوال نمبر 4: حدیث میں جنت کا درمیانی دروازہ کسے کہا گیا ہے۔۔۔؟

سوال نمبر 5: عامر اور عارف کے والدین آخر میں کہاں چلے گئے تھے۔۔۔؟

ستمبر 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: حضرت زینب بنت جحش کے والد کا نام رباب تھا۔۔؟

جواب نمبر 2: گدھے کی آواز کو بدترین آواز کہا گیا۔

جواب نمبر 3: واسق نمرہ اور عزیز چاہتے تھے کہ ان کے گھر بھی قربانی ہو

جواب نمبر 4: اباجی روشو کو دکھاوے اور ریاکاری سے بچانا چاہتے تھے۔۔

جواب نمبر 5: اس لیے کہ طاہر سب کو برے نام سے پکارتا اور مذاق اڑاتا تھا۔

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ

اپنا نام، عمر، کلاس اسکول، مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں

یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03162339088

بلاعنوان کا عنوان

ستمبر 2021 میں آئمہ بخاری کی بلا عنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے کراچی سے نائلہ محمود کا عنوان انعامی قرار پایا ہے۔

انہوں نے عنوان دیا ہے

"راضی برضاء الہی"

انہیں 300 روپے مبارک ہوں

ستمبر 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

اسلم کمال کو شاباش

انہیں 300 روپے مبارک ہوں۔

آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اظہارِ محبت

احمد ظہور متعلم جامعہ بیت السلام

آنکھوں میں تجھے رکھ لوں تو دل میں اتر آنا
تو دل کی ہے دھڑکن اور جاں دل کا دھڑک جانا

دل میرا ہے افسردہ، آنکھیں بھی ہیں نم دیدہ
مجھ پہ ہے بہت بھاری رخ تیرے کا چھپ جانا

اے کاش! تجھے دیکھوں، پھر کچھ بھی نہ دیکھ سکوں
ہے میری تمنا بس تیرے قدموں میں مر جانا

روضے پہ بلا لے رب، دل در پہ تیرے رکھ دوں
بن تیرے دھڑکتا نہیں، تیرا ہی ہے دیوانا

آقا کیا یہ ممکن ہے؟ اک بار ملوں تجھ سے
کیا ہوگا وہ کیفِ دل ملنا و بچھڑ جانا

سرکار مرے ہیں چاند، اصحابؓ ستارے ہیں
دونوں سے گردوں کا سجنا و چمک جانا

آقا میں فدا تجھ پہ کر اتنی عطا مجھ پہ
محشر میں شفاعت کا دینا مجھے پروانا

مدحت میں رہے جاری احمد کا قلم ہر دم
مقصد ہے تجھے پانا پھر تجھ ہی کو اپنانا

صلی اللہ علیہ وسلم

انعم توصیف

پیارے محمد ﷺ جو دنیا میں آئے
تو رحمت کے بادل ہر اک سمت چھائے

خوشیاں ہی خوشیاں تھیں ہر سو یوں پھیلیں
دکھی آپ ﷺ کو دیکھ کر مسکرائے

کھلونا بنا چاند، ان کی ہی خاطر
فرشتوں کا سردار جھولا جھلائے

قدم جو پڑے ان کے مکہ شہر میں
تو بنجر زمیں، پر بھی گل لہلہائے

ہو، ان کی ہی توصیف ہر دم کہ رب نے
انہی کے لیے دو جہاں ہیں بنائے

دعائیں

ارسلان اللہ خان

انسان کے ہر غم کا مداوا ہیں دعائیں
ہر درد کا مرہم ہیں ، دلاسہ ہیں دعائیں

مایوسی میں بے شک ہیں، یہ امید کا ضامن
لاریب بہت درد شناسا ہیں دعائیں

اللہ کو ہے محبوب ہر اک مانگنے والا
اللہ سے الفت کا تقاضا ہیں دعائیں

مشکل کی گھڑی میں مرے اللہ سے مانگو
طوفان میں مومن کا کنارہ ہیں دعائیں

جو لوگ بھی ہیں گردشِ حالات کی زد میں
ان کے لیے امید کا دھارا ہیں دعائیں

جب ظاہری اسباب ہوں سارے ہی معطل
اس وقت بھی انسان کا سہارا ہیں دعائیں

فرمایا نبی نے "ہے دعا مغزِ عبادت"
اس طرح عبادت کا قرینہ ہیں دعائیں

جو نیک ہیں کرتے ہیں دعائیں وہ خدا سے
یوں متقی ہونے کا اشارہ ہیں، دعائیں

پلے میں نہیں اپنے گناہوں کے سوا کچھ
مجھ جیسے خطا کار کا چارہ ہیں دعائیں

روشن ہے دعاؤں سے فضا سارے جہاں کی
اندھیر میں رحمت کا اجالا ہیں دعائیں

سچ ہے کہ دعاؤں سے ہے تقدیر بدلتی
اللہ کی رحمت کا وہ دھارا ہیں دعائیں

ارسل ہیں یہ انسان کی تسکین کا ذریعہ
ہاں قربِ خدا کا بھی وسیلہ ہیں دعائیں

گلدستہ

ترتیب و پیش: عبدالرحمن، شیخ ابو بکر، متعلم جامعہ بیت السلام، کراچی

آتے ہیں

تاروں سے یہ کہہ دو کوچ کریں خورشید منور آتے ہیں
قوموں کے پیمبر تو آچکے اب سب کے پیمبرؐ آتے ہیں
رستے میں جو پودے ملتے ہیں تعظیم کو جھک جھک پڑتے ہیں
کھل کھل کے گواہی دیتے ہیں مٹھی میں جو کنکر آتے ہیں
دربارِ نبیؐ جب گرم ہوا، افلاکِ بریں سے آئی صدا
یہ قیصر و کسریٰ حاضر ہیں یہ طغرل و خنجر آتے ہیں
اے حامیٔ بیکس! ختمِ رسل! یہ حال ہے تیری اُمت کا
دنیا میں کسی کی بھی ہو خطا الزام ہمیں پر آتے ہیں

(شاعر: ماہر القادری)

لاج رکھنا سوالی کی داتا

مانگنا بھی نہیں مجھ کو آتا
کوئے عصیاں میں برسوں پھرا ہوں
در پہ آکر ترے رُک گیا ہوں
تجھ کو چاہوں محمدؐ کو چاہوں
اور کوئی نہیں مجھ کو بھاتا
لاج رکھنا سوالی کی داتا
تیرگی صبح سے پہلے بھاگے
شب کے پچھلے پہر ذہن جاگے
ٹیکتا ہوں فقط تیرے آگے
اپنا دل، اپنا سر، اپنا ماتھا
لاج رکھنا سوالی کی داتا

(شاعر: مظفر وارثی)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ایک جملہ

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے تو وہ کبھی بے اثر نہیں رہتی اور کبھی فتنہ و فساد پیدا نہیں کرتی، گویا کہ تین شرطیں بیان فرمادیں۔ 1: بات حق ہو، 2: نیت حق ہو، 3: طریقہ حق ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی برائی کے اندر مبتلا ہے، اب اس پر ترس کھا کر نرمی اور شفقت سے اس کو سمجھائے، تاکہ وہ اس برائی سے کسی طرح نکل جائے، یہ نیت ہو۔ اس میں اپنی بڑائی مقصود نہ ہو اور دوسروں کو ذلیل کرنا مقصود نہ ہو اور طریقہ بھی حق ہو یعنی نرمی اور محبت سے بات کہے۔ اگر یہ تین شرطیں پائی جائیں تو فتنہ پیدا نہیں ہوتا اور جہاں کہیں یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں فتنہ کھڑا ہو گیا تو غالب گمان یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بات موجود نہیں تھی یا تو بات حق نہ تھی یا نیت حق نہیں تھی یا طریقہ حق نہیں تھا۔ (اصلاحی خطبات، ص: 48، ج: 9، جلد نمبر: 9 مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم)

ان کے یہاں موت کی یاد کے لیے آدمی مقرر تھا

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کتنی بڑی شان والے صحابی ہیں۔ انھوں نے ایک آدمی کو اپنے ساتھ لگا رکھا تھا اور اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ تم مجھے وقتاً فوقتاً موت کی یاد دلاتے رہنا۔ چناں چہ مختلف محفلوں میں وہ موت کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ ایک دن آپ نے انھیں فرمایا: اب آپ کوئی دوسرا کام کر لیجیے، کہنے لگے کہ حضرت! کیا اب موت یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے؟ آپ نے اپنی ریش مبارک کی طرف اشارہ کیا جس میں کچھ سفید بال آگئے تھے۔ فرمایا: یہ سفید بال مجھے موت کی یاد دلانے کے لیے کافی ہیں، مجھے ان کو دیکھ کر موت کی یاد آتی رہے گی۔

ناشکری کا نتیجہ

ناشکری کا نتیجہ بے ہنری کی صورت میں سامنے آتا ہے اور جہاں ناشکر گزار اور بے ہنر جمع ہو جائیں، وہاں منافقت کا دور دورہ رہتا ہے۔ جب اشراف کی حاجت ہی نہ رہے تو کوئی ان کی تلاش اور دل جوئی کیوں کرے۔ ہنرور کی قدر ناشناسی سے بے ہنری کو فروغ ملتا ہے۔ کم ظرف کو سر آنکھوں پر بٹھایا جائے تو اشراف کی عزت میں کمی ہوتی ہے۔ منافقت کے لیے یہ فضا بڑی سازگار ہوتی ہے۔ منافق کے دل میں کچھ ہوتا ہے اور زبان پر کچھ اور۔۔۔ وہ دو قدم زبان کے ساتھ اٹھاتا ہے اور چار قدم دل ہی دل میں پیچھے چلا جاتا ہے، جس قافلے میں ایسے مسافر شامل ہوں، اسے نہ کبھی سمت ملی ہے اور نہ منزل!! جہاں سے اسے آگے روانہ ہونا چاہیے، وہاں سے وہ پسپائی اور رُسوائی کی راہ پر نکل جاتا ہے۔ ایسے کارواں میں عبرت اور ذوق کی کمی اور بے کسی و بے دلی کی فراوانی ہوتی ہے، کیوں کہ عبرت وہ پکڑتے ہیں جو شکر کرنا جانتے ہوں، ذوق ان میں ہوتا ہے جو شرف و ہنر رکھتے ہوں، تمنا ان کی جواں ہوتی ہے جو منافقت سے ناآشنا ہوں۔ اگر دل تشکر کی طرف نہیں آتا، دماغ ہنر کی طرف نہیں جاتا اور زبان حق کی طرف مائل نہیں ہوتی تو انسان، انسان نہیں رہتا بلکہ دشت و صحرا میں بدل جاتا ہے۔ جب چاروں طرف بیکراں دشت آدم زاد کی شکل میں پھیلے ہوں تو اس صورتِ حال کو قحط الرجال کہتے ہیں۔

فیصلہ کیجیے ! !

فیصلہ کیجیے کہ آپ کو کیا چاہیے، یقین رکھیے کہ آپ اسے حاصل کر لیں گے۔ یقین رکھیے کہ آپ اس کے اہل ہیں اور اعتقاد رکھیے کہ یہ آپ کے لیے ممکن ہے، پھر ہر روز چند منٹوں کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیجیے اور تصویر گری کیجیے جو آپ چاہتے ہیں۔ محسوس کیجیے کہ وہ شے پہلے سے ہی آپ کے پاس موجود ہے۔ اس کا شکر ادا کیجیے اور لطف اٹھائیے اور خوشیاں منائیے، پھر اپنے معمولات پر جائیے اور اسے کائنات میں خارج کر دیجیے اور یقین رکھیے کہ کائنات اس کی تعبیر ضرور پیش کرے گی۔ (کتاب : راز، ص : 97 مترجم : محمد سہیل یوسف)

محنتی

جو لوگ محنت کرنے والے، اپنا خون پسینہ ایک کرنے والے ہوتے ہیں، ان کی شخصیت کی تاثیر کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کام چور نہیں ہوتے۔ کام چور انسان میں تاثیر نہیں ہوتی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں: ''تو بچا بچا کے نہ رکھ، اسے تیر آئینہ ہے وہ آئینہ ۔۔۔۔ جو شکستہ ہو تو عزیز تر نگاہ آئینہ ساز میں'' دل ٹوٹتا ہے تو پھر اندر سے چشمہ نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ ٹوٹے دلوں کی زیادہ سنتا ہے۔ اس لیے محنت کرنے والا روپڑتا ہے۔ محنتی انسان بنیں تو تاثیر خود بہ خود آجائے گی۔

صالحین کی صحبت

دل کی صفائی کے لیے اللہ والوں کی صحبت بھی بے مثال تاثیر رکھتی ہے۔ قرآن کریم میں "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" (اور جھکو، جھکنے والوں کے ساتھ) اور كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (اور رہو سچوں کے ساتھ) جیسی ہدایات دے کر اس جانب رہنمائی فرمائی ہے کہ اعمال صالحہ کا شوق اور بری باتوں سے بے رغبتی کا ملکہ حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی صحبت میں وقت لگانا اور ان کے دامن فیض سے وابستہ ہونا بھی انتہائی موثر اور مفید ذریعہ ہے۔ رمضان المبارک میں اعتکاف کی عبادت بھی اسی مقصد سے مشروع کی گئی ہے کہ آدمی کو ایسا ماحول ملے، جہاں رہ کر وہ یک سوئی کے ساتھ عبادت واطاعت میں وقت لگا سکے اور گناہوں کے مواقعوں سے محفوظ رہے۔

ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے

جن لوگوں کو ذرا بھی تجربہ ہے اور ان کے قلوب مردہ نہیں ہوئے، وہ خود جانتے ہیں کہ ان کو دوسروں سے ہزار درجہ زیادہ اپنے ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے اور اللہ والوں کی بات ادب و تعظیم کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے، اگر وہ سمجھیں کہ ہم مستغنی ہیں یا پھر ہم بھرے ہوئے ہیں تو ان سے زیادہ محروم و بدقسمت کوئی نہیں۔ بزرگانِ دین نے اس کی ایسی مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی فقیر اس طرح صدا لگائے کہ یوں تو میرے پاس سب کچھ ہے، ہمارا کشکول بھی بھرا ہوا ہے، پھر بھی صدا لگاتا ہوں تو بڑے سے بڑے سخی کے اندر بھی سخاوت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اس کے لیے تو اسباب کی ضرورت ہے کہ اپنے کو محتاج ظاہر کیا جائے۔ یہی حال اب یہاں بھی ہونا چاہیے (یعنی اللہ والوں کے یہاں) ان حضرات کے یہاں اس طرح سے حاضر ہونا چاہیے کہ ہم بالکل خالی ہیں، مفلس و محتاج بن کر آپ کی خدمت میں کچھ لینے کے لیے آئے ہیں۔
(خطبات علی میاں، مولوی محمد رمضان)

امام بخاری کی شخصیت کے ترکیبی عناصر میں ذہن کی بیداری بھی تھی اور علم کی پختگی بھی، حافظ کی غیر معمولی قوت بھی تھی اور سخت جانی و جان فشانی بھی، طلب و جستجو بھی تھی اور ہمت کی بلندی بھی، ذوق و شوق بھی تھا اور فقر و درویشی بھی، معلومات کی وسعت بھی تھی اور نظر کی گہرائی بھی، ملکہ کا رسوخ بھی تھا اور تجربہ کی گیرائی بھی، اخلاص و تقویٰ بھی تھا اور بیداریٔ شب و آہِ سحر گاہی بھی، علمی جلال بھی تھا اور اخلاق کی نرمی و خوش خرامی بھی، دنیا سے بے رغبتی بھی تھی اور وصف سخا و دریا دلی بھی ۔۔۔۔ یہ چیزیں ملیں تو علم کا چشمہ پھوٹا اور ایسا پھوٹا کہ جس نے بحث و تحقیق، فقہ و حدیث اور روایت و درایت کے تمام گوشوں کو سیراب کیا۔
(متاعِ وقت اور کاروانِ علم، مولانا ابن الحسن عباسیؒ)

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا، پَر یاد آتا
وہ ہر اک بات پر کہنا، کہ یوں ہوتا تو کیا
(مرزا اسداللہ خان غالب)

ذوقِ وفا سے کوئی یہاں آشنا نہیں
ورنہ خوشی میں بات ہے کیا، غم میں کیا نہیں!
(ذوقؔ)

خِرَد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دِل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!
(علامہ اقبالؒ)

ترے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے، میں صورت لے کے آیا ہوں
(مجذوبؔ)

جو کٹ گئی ہے اُسے اتنا سرسری نہ سمجھ
میاں! یہ عمر گزرتی نہیں گزارے سے!
(سعود عثمانی)

حالات کے قدموں پہ قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے بھی جو تارا تو زمیں پہ نہیں گرتا
مانا کہ اِس زمیں کو نہ گلزار کرسکے
کچھ خار کم تو کر گئے، گزرے جدھر سے ہم!
(قتیل شفائی)

دھوپ اُدھر ڈھلتی تھی، دِل ڈوبتا جاتا تھا اِدھر
آج تک یاد ہے وہ شامِ جدائی مجھ کو!
(ناصر کاظمی)

دل چھین لو دنیا کا محبت کے عمل سے
سیلاب مساوات و اخوت کا بہا دو !
(مولانا ظفر علی خان)

نہ رونا ہے طریقے کا نہ ہنسنا ہے سلیقے کا
پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا!
(داغ دہلویؔ)

میں نے جب شرم سے محشر میں جھکالی گردن
بخشوانے کو مجھے میری خطائیں آئیں!

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام

محفل ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نونہالوں کے لیے آل پاکستان مسابقہ حفاظ و نعت رسول مقبول ﷺ

رپورٹ: خالد معین

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام کل پاکستان پہلا مسابقہ حفاظ اور نعت رسول مقبول ﷺ کا انعقاد کیا گیا۔ مسابقوں کے اس پروگرام کو مجلسِ ذکر رسول ﷺ کا عنوان دیا گیا۔ دونوں مسابقوں کے پہلے 2 مرحلے آن لائن ہوئے، جن میں ملک بھر سے سینکڑوں بچوں نے حصہ لیا۔ پہلے مرحلے میں بچوں نے مطلوبہ کوائف کے ساتھ نمونے کے طور تلاوت اور نعت کی اپنی وڈیو بھیجی۔ مسابقہ حفظ کے دوسرے مرحلے کے لیے 80 جب کہ مسابقہ نعت رسول مقبول ﷺ کے دوسرے مرحلے کے لیے 36 بچے منتخب ہوئے۔ فائنل مقابلے کے انتخاب کے لیے دوسرے مرحلے میں 12،12 بچے منتخب کیے گئے۔

فائنل مقابلہ پیر 18 اکتوبر کو بعد نماز عصر جامع مسجد بیت السلام ڈی ایچ اے فیز 4 میں ہوا۔ دونوں مقابلوں کے لیے چار چار منصفین نے پہلی دوسری اور تیسری پوزیشن کا فیصلہ کیا۔ فائنل مقابلے کی روح پرور اور پر نور مجلس میں بچوں نے سماں باندھ دیا۔ اہل خیر کی جانب سے دونوں مسابقوں کی پہلی پوزیشن کے لیے 3،3 لاکھ روپے، دوسری پوزیشن کے لیے 2،2 لاکھ روپے اور تیسری پوزیشن کے لیے 1،1 لاکھ روپے انعام دیا گیا۔ جب کہ فائنل میں شریک دوسرے 18 بچوں میں سے ہر ایک کو 15،15 ہزار روپے کا انعام دیا گیا۔

مسابقہ حفظ کے پوزیشن ہولڈر بچے یہ رہے

اول پوزیشن: محمد داؤد بن ظاہر شاہ بحرین سوات

دوم پوزیشن: احمد اللہ بن نور اللہ چکوال پنجاب

سوم پوزیشن: محمد ادریس بن بہرام چوآ سیدن پنجاب

نعت رسول مقبول ﷺ کے مسابقے میں ان بچوں نے پوزیشن حاصل کی

پہلی پوزیشن: حسان نظامی بن محمد عبداللہ۔ کراچی

دوسری پوزیشن: محمد صفوان بن گل نواز کراچی

تیسری پوزیشن: فاروق حفیظ بن حفیظ اللہ میرالی۔ کشمور

واضح رہے ان مقابلوں میں شرکت کے لیے کسی ادارے کے توسط کے بغیر ملک بھر سے مطلوبہ کوائف کی تصدیق کے ساتھ شرکت کی بچوں کو دعوت عام تھی۔ اور شرکت کے لیے بچوں کی زیادہ سے عمر کی حد 13 سال رکھی گئی تھی۔

J.
FRAGRANCES

Cengiz Coşkun

SAVAŞÇI

WARRIOR

The Weapon of Passion

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J.Fragrances.Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

BAITUSSALAM

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

کمبل
سردی میں سہارا

ایک کمبل

Rs 1150/=

UAN
+92 21 111 298 111

Visit
Baitussalam.org

Follow us
BaitussalamWelfareTrust